بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

حضرت مولانا
سید مکرم حسین سنسارپوریؒ
ڈاکٹر شفیق احمد رائپوریؒ
مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ

خصوصی
اشاعت
برحالات

Issue.No.6,7,8	AugTo Oct.2022- ربیع الاول ۱۴۴۴ھ- اگست تا ر اکتوبر ۲۰۲۲ء	VOL.No.17

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی
حضرت مولانا ظریف احمد قاسمی ندوی مدنی
حضرت مولانا محمد ہاشم قاسمی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مولانا بلال عبدالحئی حسنی ندوی
مولانا سعید الرحمٰن فیضی ندوی
مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد منذر ندوی
مولانا حسن مرچی
مولانا رشید احمد ندوی

مجلس ادارت

مفتی رحمت اللہ ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqusheislam@gmail.com
masoodazizi94@gmail.com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

یہ شمارہ	۵۰ر روپے
فی شمارہ	۲۰ر روپے
سالانہ	۲۴۰ر روپے
خصوصی	۵۰۰۰ر روپے

ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰ر ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 9719831058

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ

گوشۂ مکرم

ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ : محمد مسعود عزیزی ندوی ۳
میرے دوست میرے مرشد : حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری ۱۳
والد مرحوم حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوریؒ: ڈاکٹر سید مفضل حسین ۱۵
سانحۂ وفات حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ: مولانا سید محمد شاہد حسنی ۱۷
حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ: مولانا عبدالمالک بلندشہری ۱۹
حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ : مفتی ناصرالدین مظاہری ۲۰
پیرِ طریقت حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ: مولانا صداقت علی مظاہری ۲۵
میرے پیرومرشد مفتی خورشید احمد مظاہری ۳۳
آپ کا وجود مسعود باعث خیروبرکت تھا: مولانا محمد یعقوب ندوی ۳۵
وفاۃ الشیخ مکرم حسین سنسار پوریؒ: ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ۳۷
تعزیتی خطوط بروفات حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ: مولانا محمد عمران قاسمی ۳۸

گوشۂ شفیق

ڈاکٹر شفیق احمد اپنے رب کے حضور میں: محمد مسعود عزیزی ندوی ۴۱
ایک قابل قدر شخصیت کے وجود سے محرومی- مولانا محمد ساجد کھجناوری ۴۴
تاریخ عزیمت کے ایک عہد کا خاتمہ: مولانا سید محمد ریاض کھجناوری ۴۵

گوشۂ محمود

مولانا محمود حسن اپنے رب کے حضور میں: محمد مسعود عزیزی ندوی ۴۸
خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود: مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ۵۲
مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی ۵۳
مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ۵۹
مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ میرے ہمدم وہمراز: مولانا طارق شفیق ندوی ۶۱
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے: مولانا نیاز احمد سجاد ندوی ۶۳
خانوادۂ حسنی کی روایتوں کا امین: مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری ۶۵
فہرست مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی ۶۸

□□□□

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۲۴۰/روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

اس وقت ملت اسلامیہ جن عظیم مصائب ومشکلات سے گذر رہی ہے وہ جگ ظاہر ہیں، ایسے میں اللہ تعالی کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کا اس دار فانی سے رخصت ہوجانا بہت بڑا حادثہ اور عظیم خسارہ ہے، سب سے پہلے ۲۲ رجولائی ۲۰۲۲ء کو ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے سرپرست حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوریؒ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، اس کے بعد ایک ہی دن میں ۱۲ راگست ۲۰۲۲ء مطابق ۱۴ رمحرم ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ مرکز کے نائب صدر ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوری جانشین حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ اور دوسرے نقوش اسلام کی مجلس ادارت کے اہم رکن جناب حضرت مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ واصل بحق ہوگئے، اللہ تعالی تینوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائے، ادارے سے خصوصی تعلق کی بنا پر تینوں حضرات کے لئے نقوش اسلام کا خصوصی شمارہ تین گوشوں کی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کرکے ادنی سا خراج عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔

نقوش اسلام اور مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے سرپرست
حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوریؒ کا وصال

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) سے بچپن ہی سے دید وشنید اور تعلق ہے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد اسحاق صاحب سے ہمارے دادا منشی عبدالعزیز صاحب کے گہرے عقیدتمندانہ تعلقات تھے، ہماری والدہ مرحومہ بتلایا کرتی تھی کہ ہفتے میں دو تین مرتبہ دادا مرحوم گھر میں دال یا کوئی سالن وغیرہ بنواکر سنسار پور حضرت مولانا اسحاق صاحب کے پاس لے جایا کرتے تھے، اور خوب ان کے پاس آنا جانا کرتے تھے، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کی ۱۹۵۵ء میں وفات کے بعد دادا محترم نے اس تعلق کو ان کے خلف الصدق حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سے اسی طرح برقرار رکھا، اور اسی طرح ان کی خدمت میں آنا جانا اور دال سالن وغیرہ لے جانے کی روایت کو جاری رکھا، حالانکہ دادا مرحوم (اسی، نوّے) سال کے تھے اور حضرت مولانا مکرم صاحب نوجوان تھے، مگر دادا مرحوم نے اس تعلق کو اسی طرح نبھایا، حضرت مولانا سید مکرم صاحب بھی دادا مرحوم کے اس تعلق اور نسبت کو خوب یاد رکھتے تھے، اکتوبر ۱۹۷۵ء میں دادا مرحوم منشی عبدالعزیز صاحب کے انتقال پر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے حضرت مولانا تشریف لائے تھے، اور اس واقعہ کو حضرت خود بیان فرماتے تھے کہ کوئی سواری نہیں تھی، سنسار پور اڈے پے آئے، چھٹملپور کی طرف سے کوئی ٹرک کلسیہ کی طرف جارہا تھا، وہ رکا،

اس نے حضرت سے پوچھا کہاں جائیں گے، حضرت نے بتلایا کہ مظفر آباد میں منشی جی کا انتقال ہوگیا، اس نے ٹرک موڑ لیا اور وہ حضرت کو چھوڑ گیا، یہاں نماز جنازہ تیار تھی، حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی، ان کے انتقال کے بعد تایا چاچا اور والد صاحب کی نماز جنازہ بھی حضرت نے ہی پڑھائی، اس تعلق اور حضرت کی شفقت کی بناء پر چچازاد مولانا عبدالمنان صاحب نے زندگی کا اکثر حصہ حضرت کی خدمت میں گذار دیا، موسم کی پرواہ کئے بغیر وہ روزانہ عصر کے وقت حضرت کی خدمت میں پہونچ جاتے تھے، حضرت کو ہر طرح آرام پہونچاتے تھے، سفر حج وعمرہ کے سفر میں ساتھ رہتے تھے، اور حضرت کی مجلس میں قرآن وتفسیر اور کوئی بھی دینی کتاب وہی پڑھتے تھے، جواب بھی حضرت کی خانقاہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اس نسبت اور ایک خاندانی تعلق کی بنا پر بھی حضرت مولانا کی خدمت میں بچپن سے ہی آمد ورفت رہی ہے، جب تک یہ نامہ سیاہ پیلی مزرعہ اور رائے پور طالب عالم رہا تو خط وکتابت کی نہ ضرورت پڑی اور نہ نوبت آئی، قربت مکانی کی بنا پر نیاز مندانہ حاضری ہوہی جاتی تھی، جب راقم رائے بریلی اور لکھنؤ تعلیم حاصل کرنے گیا، تب خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا، وہاں سے بھی تعطیل میں گھر آنا ہوتا تو حضرت کی خدمت میں ضرور حاضری کا شرف حاصل کیا جاتا، جب ۱۹۹۴ء میں راقم سطور مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا، تو وہاں سے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں وہاں کے تعلیمی ماحول اور اپنی درسیات کی تفصیل لکھی، نیز وہاں گرمی کی شدت کی وجہ سے آنکھیں دکھنی آرہی تھیں، ان کی شفایابی کے لیے بھی دعا کی درخواست کی تھی، جس پر حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی موصول ہوا۔

۱- عزیز گرامی قدر............سلمکم اللہ تعالی

سلام مسنون، دعوات صالحہ

آپ کے جوابی خط سے جملہ احوال وکوائف معلوم ہوئے، آنکھ کی تکلیف سے فکر ہوا، اللہ تعالی صحت وعافیت کے ساتھ علم نافع عطا فرمائے، اور ہر قسم کی کامیابی وکامرانی سے نوازے۔

میری آنکھوں میں بھی تکلیف بدستور چل رہی ہے، خود بھی دعا کریں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں اگر حاضری ہو تو بعد سلام مسنون اور مزاج پرسی کے دعا کی درخواست کر دیں۔

آنکھوں کی تکلیف رفع ہونے اور کامل بصارت کے لیے خصوصی طور سے عرض کر دیں۔

میں بھی تمہارے لیے دعا کرتا ہوں، کہ اللہ تعالی ہر قسم کی تکالیف اور پریشانیوں سے محفوظ فرما کر دارین کی

صلاح وفلاح عطا فرمائے۔

پرسان حال سے سلام مسنون، مولوی عبدالمنان بخیر ہیں، ملاقات پر سلام کہہ دیا جائے گا، بشرطیکہ یاد رہا۔

والسلام

(الحاج حضرت مولانا) سید مکرم حسین (صاحب سنسار پوری)

اس کے بعد پھر ایک خط حضرت والا کو لکھا، جس میں اپنے تعلیمی احوال لکھے اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا کا مندرجہ ذیل معزز نامہ ملا، جس پر ڈاکخانہ کی تاریخ کی مہر ۱۴/۵/۹۴ء ہے:

۲- مکرمی ومحترمی جناب حافظ محمد مسعود سلمہ اللہ تعالی

سلام مسنون! آپ کا خط اچانک مل گیا ہے، چونکہ دوبارہ علی گڈھ معائنہ کے لیے جانا ہوا تھا، شاید میری عدم موجودگی میں پہنچا ہوگا، آپ کے خط سے مسرت واطمینان ہوا، آپ کے تحصیل علم کی مزید توجہ اور کوشش سے فرحت وانبساط ہوا، میری آنکھوں کی بصارت نصف بدستور متأثر ہے، اس لئے لکھنے پڑھنے سے معذوری ہے، یہ خط بھی عزیزم عبدالمنان سے لکھوا رہا ہوں، آپ کے لیے خصوصیت سے دعا گو ہوں، حق تعالی شانہ علم نافع اور عمل صالح کی سعادتیں نصیب فرمائیں اور اخلاص کامل عطا فرمائے، ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی، اگر موقع ہو حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ) کی خدمت میں سلام اور دعا کے لیے درخواست ہے۔

والسلام

مکرم حسین

اس کے بعد جب آئندہ سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوا، تو وہاں سے بھی حضرت مولانا کی خدمت میں کئی خطوط تحریر کئے، پہلے ایک دستی خط بھیجا تھا، اس کے بعد ایک جوابی کارڈ لکھا تھا، جس میں اپنے تعلیمی حالات لکھے اور دعا کی درخواست کی، نیز اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کے حالات پر کتاب لکھنے کے لیے مواد جمع کر رہا تھا، تو معاصرین کے تأثرات حاصل کرنے کے لیے بزرگوں کو خطوط لکھ رہا تھا، ایک خط میں حضرت مولانا سے حضرت حافظ صاحب کے متعلق لکھنے کی فرمائش کی تھی، جس پر حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی ملا:

۳- عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالی

سلام مسنون- دعوات صالحہ

سفر سے واپسی پر آپ کا دستی مکتوب ملا تھا، خوشی ہوئی، کل یا پرسوں یہ جوابی خط ملا، حق تعالی آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرماویں۔

انشاءاللہ حضرت حافظ صاحب کے اخلاق حمیدہ اوراوصاف کے متعلق کچھ لکھوں گا، اگرچہ اپنی صحت اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے وقت کم ہی ملتا ہے، انشاءاللہ عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں میں جب گھر آ ؤ گے تو لکھ دوں گا، آپ اپنا زیادہ وقت حصول علم و مطالعہ اور کتب بینی میں خرچ کریں، مضمون نویسی وغیرہ کے لیے کافی زمانہ ہے، انشاءاللہ۔

تعلیمی اختصاص پیدا کریں، اور خوب محنت وکوشش سے علم حاصل کریں، اگر ہو سکے تو حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندی صاحب مدظلہ) سے سلام مسنون عرض کردیں، اور دعاؤں کی درخواست۔ والسلام

مکرم حسین غفرلہ

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

اس کے چند دنوں کے بعد پھر حضرت کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا جس میں مضمون سابق کے ساتھ دعاؤں کی درخواست کی تھی، جس پر حضرت والا کا یہ معزز نامہ شرف صدور لایا، جس پر ڈاکخانہ کی مہر ۹۵/۶/۲۸ء ہے:

۴- ازمکرم حسین سنسار پور ۱۶/۱/۲۸ھ

عزیز القدر مولوی محمد مسعود صاحب سلمہ اللہ تعالی

زاداللہ علمکم وفضلکم

بعد سلام مسنون! آپ کا جوابی مکتوب ایک ہفتہ قبل ملا تھا، اپنی گوناگوں علالت اور ضعف بصارت کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی جس کا احساس ہے، آپ نے جس مضمون کے متعلق تحریر کیا ہے، اس میں کچھ تو لکھا گیا ہے اور کچھ لکھنا باقی ہے، اپنی خرابی صحت کی بنا پر تاخیر ہوئی، انشاءاللہ جلد ہی کوشش کروں گا، اس کو پورا کر کے کسی کے ذریعہ یا ڈاک کے ذریعہ یا آپ ہی امتحان کی چھٹی میں آئیں تو دیدیا جائے گا، باقی آپ اپنی تعلیمی کوششوں اور کاوشوں میں کوئی فرق نہ آنے دیں، تعلیمی نظام میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے، باقی رہی مضمون نویسی کی بات یہ تو کورس پورا ہونے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، البتہ خالی وقت میں کچھ لکھ لیا جائے، تو مضائقہ نہیں، امید کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ندوہ میں ہی قیام فرما ہوں گے، اگر ملاقات ہو جائے تو سلام مسنون کے بعد اپنی دینی ودنیوی صلاح وفلاح اور عافیت دارین کے لیے دعا کی درخواست کردیں، عزیزم مجد حسین بھی آجکل میں آنے والے ہیں، ان کے پاس اکثر بیشتر جاتے رہا کرو اور صحیح مشورہ دیتے رہا کریں۔ جزاکم اللہ

مکرم حسین غفرلہ

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

اس کے بعد جب راقم کی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' چھپ کر آئی، تو حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجی اور پھر حضرت مولانا کو ایک خط تحریر کیا جس میں اس کتاب کے بھیجنے کی بھی اطلاع کی، اور دعا کی بھی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا کا یہ جواب موصول ہوا:

۵- عزیز محترم مولوی محمد مسعود صاحب سلمہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعافیت باشند: آپ کے مرسلہ جوابی سے آپ کی تصنیف کردہ کتاب کے بارے میں معلوم ہوا، بڑی مسرت اور خوشی ہوئی، حق تعالی قبول عام وتام فرمائے اور اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے اور آئندہ بھی حصول علم وعمل میں اخلاص وللّٰہیت نصیب فرمائے۔

آپ نے جو لکھا ہے کہ وہ کتابچہ بھیجا، ابھی تک یہاں نہیں پہنچا ہے، الحمدللہ یہ معلوم کر کے بڑی خوشی اور انبساط ہوا کہ آپ کی تصنیف کردہ کتاب کو بہت سے مدارس میں داخل نصاب کرلیا گیا ہے، حق تعالی آئندہ خدمت دین ہر طرح سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آئندہ اپنے علمی انہماک میں اور مزید توجہ اور کوشش سے اختصاص پیدا کیا جائے، حق تعالی شانہ ظاہری وباطنی، علمی وعملی، بعافیت وصحت وتندرستی توفیق مرحمت فرمائیں، اگر حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) سے ملاقات ہو اور یاد رہے تو سلام مسنون اور دعا کی درخواست کردیں۔

والسلام

مکرم حسین

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

کچھ دنوں کے بعد جب شیخی ومرشدی حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کا انتقال ہو چکا تھا تو لکھنؤ سے حضرت مولانا کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا اور اپنے حالات کے ساتھ اندرونی جذبات کی ترجمانی کی اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت کا یہ والا نامہ ملا جس پر ڈاکخانہ کی مہر غالباً ۹۶/۹/۱۵ء۔

۶- عزیز گرامی قدر محبّ مکرم زید مجدکم سلّمہم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے جوابی کارڈ سے احوال وکوائف معلوم ہوئے، آپ کی اس طلب صدق پر رشک آتا ہے، حق تعالی شانہ آخرت کی کامرانی وکامیابی کے لیے ہم کو بھی یہ فکر نصیب فرمادے، بہرحال بہتر ہے کہ اب اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب مدظلہ کی ذات گرامی اس وقت ایسی موجود ہے، حق تعالی شانہ ان کی ذات عالیہ کو تادیر ہمارے سروں پر قائم دائم رکھے، اور حق تعالی اپنی محبت وپیار نصیب فرمائے اور ہمہ وقت اپنی ذات عالیہ کا استحضار اور معیت نصیب فرماویں، اور ہر قسم کی کوتاہیوں کو درگزر فرما کر مرضی وعدم مرضی کا احساس پیدا فرمادیں، میں خود بھی دعاؤں کا محتاج ہوں، آج کل آشوب کی شکایت چل رہی ہے، اس لیے بمشکل لکھا ہے۔

والسلام

مکرم حسین غفرلہ

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

پھر حضرت مولانا کی خدمت میں ایک خط لکھا، جس میں اپنے احوال لکھے اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا

کا یہ گرامی نامہ موصول ہوا، جس پر ڈاکخانہ کی مہر ۱۸؍۳؍۹۷ء ہے:

۷- از مکرم حسین غفرلہ سنسار پور

عزیز گرامی قدر مولوی محمد مسعود سلمہ اللہ تعالی

بعافیت باشند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

بڑی ندامت اور شرمندگی کے ساتھ معذرت خواہ ہوں کہ نہ معلوم کب اور کس وقت کا یہ آپ کا جوابی کارڈ اتفاق سے مل گیا، جس کا آپ کو انتظار رہا ہوگا، بہر حال اب اس کی مکافات کر رہا ہوں، حق تعالی شانہ آپ کو علم وفضل سے نوازیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ سے سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست کر دیں، آج کل میری صحت کا حال اچھا نہیں، ظاہری و باطنی امراض سے شفایابی کے لیے آپ سے بھی دعا کر درخواست ہے، حق تعالی اپنی رضا وخوشنودی دارین میں عنایت فرمادیں، حضرت (مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) مدظلہ کی صحت وعافیت اور اس طرف کے سفر کا اگر ارادہ ہو اس سے بھی مطلع کریں۔

والسلام

مکرم حسین سنسار پور

اس کے بعد جب ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا انتقال ہوا، تو اس کی اطلاع بھی حضرت کو ایک خط کے ذریعہ سے دی، جس میں اپنے احوال بھی لکھے، اور حضرت مولانا منظور نعمانی کی وفات کی خبر بھی دی، جس پر حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی موصول ہوا، جس کے ساتھ ایک تعزیت نامہ بھی تھا، جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادے مولانا سجاد صاحب نعمانی ندوی کو دیدیا گیا تھا، حضرت مولانا کا مکتوب گرامی مندرجہ ذیل ہے، جس پر ڈاکخانہ کی مہر ۱۹؍۵؍۹۷ء ہے:

۸- عزیزم مولوی حافظ قاری محمد مسعود صاحب سلمہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کے خط سے حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر رنج وغم ہوا، اس سے پہلے ریڈیو سے خبر سنی تھی، بہر حال حق تعالی شانہ ان کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ مرحمت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل۔

بندہ بھی مختلف امراض کا شکار ہے، شافی مطلق ہر قسم کی ظاہری و باطنی بیماریوں سے شفائے کاملہ مرحمت فرماویں، اور آپ کی صحت وعافیت کے لیے دعا گو ہوں، شافی مطلق جسمانی وروحانی ہر مرض سے شفاء کلی مرحمت فرماویں اور علم وفضل سے نوازیں۔

ایک خط تعزیتی حضرت مولانا مرحوم کے صاحبزادگان کے نام آپ کے لفافے میں بھیج رہا ہوں، پتہ صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، آپ خود یا کسی ذریعہ سے ان تک پہنچا دیں، اگر ملنا ہو تو تعزیتی کلمات پیش فرما دیں اور دعا کی درخواست، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے متعلق اور صحت کے حالات سے بھی مطلع کریں اور سلام مسنون اور دعا کی درخواست پیش کر دیں، جملہ اعزہ بخیر وعافیت ہیں، پرسان حال سے سلام مسنون۔ والسلام

مکرم حسین غفرلہ

❖❖❖❖❖ ❖❖❖❖❖

اس کے بعد اور درمیان میں بہت سے خطوط لکھے، جس میں سے بعض خطوط کے جوابات موصول نہ ہو سکے، میرے کاغذات میں صرف یہی آٹھ خطوط محفوظ تھے، جو یہاں نقل کر دئے گئے، پھر ندوہ سے فراغت کے بعد نہ خط وکتابت کی ضرورت پڑی اور نہ لکھا گیا، حاضری کا برابر معمول رہا ہے، جب راقم نے مرکز احیاء الفکر الاسلامی قائم کیا، اس وقت حضرت تشریف لائے، اس کے بعد ۲۰۰۴ء میں مرکز کی مسجد الامام ابی الحسن علی حسنی ندوی کے سنگ بنیاد کی تقریب کی، تو اس میں بھی حضرت مولانا تشریف لائے، ساتھ ہی ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوری اور حضرت مفتی عبدالقیوم صاحبؒ رائے پوری بھی تشریف لائے تھے، حضرت مولانا اور مفتی عبدالقیوم صاحب کی طرف سے ڈاکٹر شفیق احمد صاحب نے مندرجہ ذیل تحریر رجسٹر معائنہ میں لکھی۔

۹- آج مؤرخہ ۱۸ رذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۰ رفروری ۲۰۰۴ء حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد تشریف آوری ہوئی، حضرت والا نے اس مرکز میں تشریف لاکر اس کو برکات کا شرف بخشا اور نہایت تسلی، تسکین وتشفی کا اظہار فرمایا، احقر شفیق احمد حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب مقیم حال خانقاہ رائے پور کے ہمراہ حاضر ہوا، ان سبھی حضرات نے یہاں مسجد الامام ابی الحسن کا سنگ بنیاد رکھا، اس پر نور اور پر مسرت موقع پر دوسرے حضرات بھی تشریف فرما تھے، اللہ تعالی اس ادارہ کو اور اس مسجد کو تا قیامت آباد وقائم ودائم رکھے۔ فقط

تحریر: احقر شفیق احمد، مکرم حسین غفرلہ، عبدالقیوم

❖❖❖❖❖ ❖❖❖❖❖

۲۰۰۶ء میں جب راقم نے مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ایک ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے اجراء کا پروگرام بنایا، تو حضرت مولانا سے پیغام لکھنے کا مطالبہ کیا، حضرت نے از راہ شفقت مندرجہ ذیل پیغام ارسال فرمایا:

۱۰- محبّ مکرم عزیزم مولانا مفتی محمد مسعود صاحب عزیزی ندوی سلمہ اللہ تعالی

ماشاء اللہ ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے زیر نگرانی طلبہ وطالبات کے الگ الگ تعلیمی ادارے چند سالوں سے چلا رہے ہیں اور ماشاء اللہ اس سے بڑے اچھے نتائج اور عوام وخواص میں تعلیم وتربیت کا ذوق وشوق بڑھ رہا ہے، جو مستقبل میں امت مسلمہ کے لیے

روشن منارہ کی حیثیت رکھتا ہے، اب اسی کے زیرنگرانی ایک اصلاحی، دعوتی، تربیتی رسالہ ''نقوشِ اسلام'' کے نام سے جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ اس کے ذریعہ سے امت میں اپنے بچوں اور اپنے عوام وخواص میں اس کو تعلیمی ذوق وشوق کا ذریعہ بنائے۔

آج زمانہ قلم کا ہے اور صحافت کا، باطل وغلط اور ہلاکت خیز نظریات اور دنیا کی چمک دمک کی نشر واشاعت غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط کا لیبل لگا کر پیش کرتی ہے، اور اس میں میڈیا اور صحافت کا خاص رول ہوتا ہے، اس لیے آج ضرورت اس بات کی ہے، کہ ایسے اصحاب علم وقلم اور اصحاب درد واخوت آگے آئیں اور اسلام کی صحیح تصویر اور نقوش اسلام پیش کریں جس پر امت مسلمہ کی بداعمالیوں سے گرد وغبار پڑ گئی ہے اور مسلم معاشرے کو صالح معاشرہ میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے، اور اس ہلاکت خیز حیوانیت سے نکال کر صحیح انسانیت کی راہ پر لگایا جائے جو یقیناً ایک ابدی اور لازوال نعمتِ عظمیٰ ہے، اور برے عقائد، رسم ورواج اور بدعات وخرافات سے امت مسلمہ کے نکلنے کا ذریعہ بن جائے، بہرحال امت مسلمہ کے عوام وخواص اس سلسلہ میں موصوف کا ہر قسم کا دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

مکرم حسین غفرلہ

❖❖❖❖❖ ——— ❖❖❖❖❖

۲۰۰۷ء میں جب راقم نے اپنی کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' کے لیے حضرت مولانا سے چند کلمات تبریک لکھنے کی درخواست کی، حضرت مولانا نے اپنے عوارض وامراض اور ضعف کے باوجود جو تحریر عنایت فرمائی وہ تبرکاً نقل کی جاتی ہے:

۱۱- گرامی قدر مولوی مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ شانہ نے بڑے علم وفضل اور دوسری علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کو لکھنے کا اچھا ذوق ہے، ان کی متعدد کتابیں چھپ کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، اس طرح ان کا علمی فیض برابر جاری ہے، یہ سب ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام خاص ہے، اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ آپ کے دادا مرحوم منشی عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگوں سے خصوصاً ہمارے آباء واجداد سے بڑا گہرا تعلق ولگاؤ تھا، جن کی دعاؤں اور تعلق ومحبت کا یہ ثمرہ ہے، یہ کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' موصوف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے گذشتہ بارہ تیرہ سال کے درمیان مختلف موقعوں پر لکھے تھے، موصوف کے اصلاحی ودعوتی مضامین کے پڑھنے اور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو یقیناً امت کے لیے بڑے نافع اور مفید ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ امت کے لیے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور قبول فرمائے۔

ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قول وعمل میں تضاد نہ ہو، اس کی دعوت کا اسلوب پیغمبروں کے انداز پر ہو، وہ اپنے مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھ کر دینی دعوت کو پیش کرے، داعی کو بے لوث اور بے غرض ہونا چاہئے اور ''ان اجری الا علی اللّٰہ'' کو ذہن میں مستحضر رکھنا چاہئے، اس سے دعوت کا کام مؤثر اور انقلاب انگیز ہوتا ہے، اس کتاب کے جو مضامین ہیں

وہ ایسے ہی اصحاب قلوب ،نفوس قدسیہ اور اصحاب دعوت وعزیمت کے سوانح حیات اور حالات زندگی سے متعلق ہیں ،جن کی زبان میں اور جن کی باتوں میں اللہ نے تاثیر رکھی تھی اور انہوں نے ایسے اصلاحی کام انجام دیئے ہیں کہ وہ تاریخ کے ہیرو وابطال بن گئے ہیں ،اور ان کے دعوتی واصلاحی کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہیں ،ان کے حالات زندگی پڑھ کر خود اپنی زندگیوں میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے ،خدا کرے کہ یہ کتاب نئی نسل کی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے مہمیز کا کام کرے ،اللہ تعالی قبول فرمائے اور اس کتاب کو نافع بنائے۔ آمین

والسلام

سید مکرم حسین

۲۰۰۷/۸/۶ء

اس طرح سے حضرت والا کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ برابر جاری تھا ،حضرت بھی کئی مرتبہ مرکز میں تشریف لائے ،آخری مرتبہ ۲۰۱۹ء کے سالانہ پروگرام میں بچوں کے ختم قرآن کی تقریب میں تشریف لائے ،مسجد میں بچوں کا قرآن کریم ختم کرایا ،پھر دعا کرائی ،مرکز کی خانقاہ میں بھی تشریف لے گئے اور ناشتہ کیا ،اس کے بعد لوکڈاؤن میں غالباً اگست ۲۰۲۰ء میں مرکز کے کالج کے گیٹ کے سامنے سے کہیں جارہے تھے تو حضرت اپنے پورے قافلے کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے رکے اور دعا کرائی ،جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی ،تو حضرت کے اشارے سے عصر کی نماز اور مغرب کی نماز پڑھانے کی سعادت نصیب ہوتی اور پھر وظیفہ کے بعد حضرت کے حکم سے مجلس میں دعا کرانے کی بھی سعادت نصیب ہوتی ،اس لئے کہ حضرت کا معمول تھا کہ جو بھی اہم عالم اور اہل تعلق حضرت کی خدمت حاضرت ہوتا ،تو اس سے نماز بھی پڑھواتے اور پھر مجلس میں دعاء بھی کراتے ،جب تک والد صاحب حیات تھے ،وہ ساتھ جاتے ،تو والد صاحب کو حضرت خصوصی جگہ دیتے ،اپنے برابر میں بٹھاتے ،والد صاحب کو بھی حضرت سے محبت ہوگئی تھی ،اس لئے حضرت سے بیعت ہوگئے ،اور معمولات کے پابند ہوگئے ،والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت سے جب بھی ملاقات ہوتی تو والد صاحب کا ذکر کرتے ،اس طرح حضرت تمام محبین زائرین کے ساتھ خصوصیت کا معاملہ کرتے جس سے ہر اہل تعلق یہ سمجھتا کہ حضرت کی مجھ پر زیادہ شفقتیں ہیں۔

بہر حال حضرت کی ذات بابرکت سے استفادہ کا سلسلہ جاری تھا کہ راقم ۲۶/شعبان ۱۴۳۹ھ م ۱۳/مئی ۲۰۱۸ء بروز اتوار صبح گیارہ بجے کے قریب حضرت والا کی خدمت میں پہنچا ،تو حضرت نے اجازت وخلافت سے نوازا ،اس طرح حضرت نے اعتماد فرما کر ایک عظیم کام کی ذمہ داری نام سیاہ کے سپرد کردی ،اللہ تعالی حضرت والا کے اس حسن ظن کی لاج رکھ لے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے ،حضرت والا اب آخر کے زمانے میں ضعیف اور کمزور ہوگئے تھے ،مختلف امراض بھی لاحق ہوگئے تھے ،آنے والے محبین گھر پر زیارت کر رہے تھے ،لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہر روز صبح وشام حاضر ہورہی تھی اور حضرت کی زیارت سے مستفید ہورہی تھی کہ ۲۲/جولائی ۲۰۲۲ء جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کے وقت حضرت کے وصال کا وقت آگیا اور آپ اپنے

پروردگار سے جا ملے، بعض احباب کے فون سے اطلاع ملی، فوراً حاضری ہوئی، آناً فاناً لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور مجمع قابو سے باہر ہوتا گیا، کہ مغرب کی نماز کے بعد فوراً عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی، حضرت مولانا عاقل صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے نماز جنازہ پڑھائی، لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور تدفین عمل میں آئی، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

حضرت مولانا اس وقت مغربی یوپی کے ضلع سہارنپور میں ایک مشہور بزرگ اور حضرت رائے پوری کے آخری خلیفہ کے نام سے مشہور تھے، آپ کا فیض ہندوستان کے دور دراز علاقوں کو مستفیض کرتا ہوا حدود ہند سے پار ہو کر غیر ممالک تک پہنچ گیا تھا، حضرت کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صفات وخصوصیات سے نوازا تھا، آپ اپنے معمولات کے پابند تھے، اللہ کی مخلوق پر بے حد شفیق تھے، ہر آنے والے سے الگ سے مخاطب ہو کر اس کی خیریت وضرورت پوچھتے تھے، سب کی باتوں کو غور سے سنتے تھے، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے احکام کو ماننے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی دعوت دیتے تھے، کسی کو کوئی مسنون دعاء بتاتے تھے، کسی کو کوئی وظیفہ، ہر ایک کو الگ الگ نسخہ بتاتے تھے، پریشان حال لوگوں کو دعا ووظیفہ کے ساتھ کوئی دوائی بھی بتلاتے تھے، غرضیکہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے، جب تک اللہ نے صحت دی، اہل تعلق کے نکاح پڑھانے جاتے تھے اور جنازہ کی نماز بھی حضرت ہی پڑھاتے تھے، اخیر میں لوگ نکاح، بچوں کے ختم قرآن کے لئے حضرت کے پاس ہی حاضر ہو جایا کرتے تھے، اس طرح حضرت کے فیض سے اللہ کی مخلوق فیضیاب ہو رہی تھی۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

حضرت مولانا کریم بن کریم تھے، سادات حسینی سے تعلق تھا، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد اسحاق صاحب مشہور بزرگ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ تھے، حضرت مولانا کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں ہوئی، آپ نے مظاہر علوم میں تعلیم مکمل کی اور حکمت سیکھی، بچپن سے ہی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں حاضری کا معمول رہا، اور حضرت رائے پوری کی زیر تربیت سلوک وطریقت کے منازل طے کئے، یہاں تک کہ حضرت نے آپ کو جوانی ہی میں خلافت سے سرفراز کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی وجسمانی امراض کا حکیم بنایا تھا، جس کی وجہ سے آپ روحانی مریضوں کے ساتھ جسمانی مریضوں کا بھی علاج کرتے تھے اور روزانہ مطب میں بھی اہتمام سے بیٹھتے تھے، مگر جب سے ضعف اور لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا تھا تو مطب میں آپ کے صاحب زادے ہی بیٹھتے تھے، اس طرح اللہ کی مخلوق ہندو مسلم سب آپ کے فیض سے مستفیض ہو رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا وقت آ گیا اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا، حضرت مولانا چونکہ ہمارے ادارے کے سرپرست تھے، اس لئے نقوش اسلام کا خصوصی شمارہ نکال کر حضرت والا کو ادنیٰ سا خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، حضرت والا کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشۂ مکرم

میرے دوست میرے مرشد

حضرت مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

آج دل اپنے رفیق خاص اور روحانی مرشد حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب کی جدائی اور فراق کے غم سوز اس سے پوری طرح زخمی اور ماتم کناں ہے، عمر کی اس منزل میں جب ایک ایک کر کے سب جدا ہوگئے ہیں امیدوں کا آخری سہارا اور پرانی یادوں کی محفل اور بزم دوستاں کی اہم یاد اور نشانی صرف آپ ہی کی ذات تھی، تاہم تقریباً بہتر سالوں کی یہ مصاحبت اور پاکیزہ محبتوں کا یہ طویل سفر یک لخت ختم ہوگیا، اس طویل زندگی کا ایک ایک لمحہ اور نہ ختم ہونے والی یادوں کا ہجوم جب یاد کرتا ہوں تو آنکھیں بے ساختہ آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اب دنیا میں عمر کے مرحلوں کے اعتبار سے کوئی ہم عمر معاصر شاید ہی موجود ہو، جس کے پاس جا کر غم ہلکا کرلوں، اس کو اپنے زخمی دل کے چھالیں دکھاؤں، اس کو روداد غم سنا کر کچھ اطمینان حاصل کروں، عمر کی نو دہائیاں طے ہو چکی ہیں، اس عمر میں بھلا کون اب غم گسار ہوگا، میرے لیے اس عمر میں حضرت ہی کی شخصیت اور ذات ایسی باقی تھی، جب چاہا حضرت کے دربار میں نیازمندانہ حاضر ہوگیا، اس حوالے سے حضرت کی شخصیت کئی اعتبار سے میرے لئے خیر اور سکون خاطر کا سامان اور غذا تھی، جب میں جامعہ قاسمیہ شاہی مراداباد سے اپنی پیرانہ سالی کے سبب عہدہ نیابت سے استعفیٰ دیکر گھر آیا تو چونکہ حضرت سنسارپوری میرے رفیق درس بھی تھے ہم دونوں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں ایک دوسال کے کے فرق کے ساتھ زیر تعلیم تھے، پر ہم دونوں کا آبائی وطن اور علاقہ بھی چند کلومیٹر کے فاصلے کے ساتھ ایک تھا، ان تمام نسبتوں کے سبب زندگی کے آخری پڑاؤ پر آپ سے بچپن کا وہ معصوم دوستانہ تعلق خاطر محبت اور شفقتوں میں تبدیل ہوگیا، بلکہ طرفین سے ایسی قلبی انسیت پیدا ہوگئی کہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر سکون میسر نہیں آتا تھا، ایک ملاقات میں حضرت سنسارپوری نوراللہ مرقدہ نے میرے سر پر دستار خلافت باندھی پھر فرمایا کہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت مرحمت فرمادی، آپ بھی مجھے اپنے سلسلوں کی اجازت عطا فرمائیں، میں نے بھی حضرت کو اپنے تمام سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں حضرت الحاج حکیم سید محمد اسحاق کے یہاں قصبہ سنسارپور میں پیدا ہوئے، جب آپ کی عمر

چار سال چند ماہ کی ہوئی تو مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور میں ابتدائی تعلیم کے لیئے بٹھائے گئے، قرآن کریم حفظ حافظ محمد شفیع خان صاحب سنسار پوری سے پڑھا، تکمیل حفظ کے بعد فارسی وعربی شرح جامی تک پدر بزرگوار حضرت مولانا سید اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، اس کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف کی تکمیل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں کی، ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ھ میں سند فضیلت حاصل کی، میں مدرسہ مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا اور حضرت والا بھی، دینی علوم اور درس نظامی سے فراغت کے بعد طب کی کتابیں اپنے والد مرحوم حضرت مولانا سید محمد اسحاق صاحب سے پڑھیں۔

جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوگئی، حضرت مولانا سید اسحاق صاحب اپنے پیارے بیٹے محمد مکرم حسین صاحب کو شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائپوری کی خدمت میں کبھی کبھی ساتھ لے جاتے تھے، گیارہ بارہ برس کی عمر میں باقاعدہ حضرت رائے پوریؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے اور ظاہری علوم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ باطن کی اصلاح کی بھی فکر دامن گیر ہوگئی تھی، اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے تلقین فرمودہ اوراد واشغال کی بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، جو تعلیمی مشغولی کی وجہ سے مختصر سے ہوتے تھے، اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد تو پوری یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے تھے، روزانہ شام کو سنسار پور سے رائے پور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوریؒ مصافحہ کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے اور فرماتے اب گھر جاؤ شام کو پھر آ جانا۔

جب آپ کے والد محترم جناب مولانا سید محمد اسحاق صاحب کا انتقال ہوگیا تو حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا، اب آپ کا گھر زیادہ قیام کرنا ضروری ہو گیا ہے، لہٰذا تیسرے چوتھے روز آیا کرو، پھر کچھ عرصہ بعد فرمایا، بس اب ہفتہ میں ایک بار ہی آیا کرو، حضرت اقدس رائے پوری نے خاص توجہ فرما کر راہ سلوک ومعرفت کے منازل ومراحل طے کرا دئے اور خلافت واجازت کا خلعت عنایت فرما دیا، منشی حبیب احمد صاحب علی گڑھ کا بیان ہے کہ ایک صاحب نورانی صورت اور نیک سیرت حضرت اقدس رائے پوریؒ سے مصافحہ کر کے چلے، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص کون ہے؟ مجھے حضرت اقدس رائے پوریؒ نے اپنے قریب بلایا اور فرمایا آپ ان کو جانتے ہیں؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی، حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا یہ حضرت مولانا اسحاق صاحب سنسارپوریؒ مرحوم کے صاحبزادہ سید مکرم حسین ہیں، نیک طبیعت ہیں، وغیرہ وغیرہ ہم نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دے دی، ہمارے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا پلہ پکڑ لینا، اپنا اصلاحی تعلق ان سے قائم کر لینا، بہر حال حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، ان کے دم سے سنسار پور کی خانقاہ آباد اور شاد تھی، اللہ تعالیٰ ان کے چلے جانے کے بعد ان کے فیض کو جاری وساری رکھے۔ آمین

☆☆☆☆☆

گوشۂ مکرم

والد مرحوم حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوریؒ

ڈاکٹر سید مفضل حسین صاحب زادہ محترم حضرت سنسارپوریؒ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

دنیا آئے دن موت کا تماشا دیکھتی رہتی ہے، آئے دن جگہ جگہ خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں شخص اس دارِفانی سے کوچ کرگیا، ان خبروں سے زیادہ حیرانی وپریشانی کا احساس نہیں ہوتا، کیونکہ موت تو برحق ہے، مگر جب کسی عزیز قریب، جلیل القدر عالم دین اور عظیم شخصیت جس کی محبت ملائکہ وفرشتوں کے دلوں سے ہوتی ہوئی قلوبِ انسانی میں ڈالدی جاتی ہے، جس کے انتقال پر ملال پرآسمان کے فرشتے اور زمین پر بسنے والے انسان روتے ہیں، یقیناً یہ وہی حضرات ہیں جن کی نسبت اللہ پاک نے ارشادفرمایا: یاأیتھاالنفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یہ حضرات امت کے وہ مسیحا ہوتے ہیں کہ جن کی مفارقت وجدائی پر ہردل مغموم، ہرآنکھ اشک بار اور ہر چہرا اداس ہوجاتا ہے، کیونکہ ''موت العالم موت العالم'' ایک عالم کی موت کو عالَم کی موت قرار دیا گیا ہے، کچھ ایسا ہی واقعہ ہمارے والد بزرگوار (جو یقیناً عارف باللہ بھی تھے اور علم ومعرفت اور رشد وہدایت کے امام اور سنت وحکمت کے رمزشناس بھی) حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب قدس سرّہٗ کے عظیم حادثہ اور سانحۂ وفات پر پیش آیا، آپ ۲۴؍جولائی ۲۰۲۲ء مطابق ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ بروز جمعہ ۹۳؍برس کی عمر میں نمازِ جمعہ سے قبل چار بیٹوں اور دو بیٹیوں سمیت ہزاروں متعلقین و منتسبین ومعتقدین کو سوگوار اور تڑپتا ہوا چھوڑ کر اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے، اس جاں گداز اور روح فرسا حادثہ کا سننا تھا کہ غم واندوہ کا ایک پہاڑ ٹوٹ گیا، عجب کیفیت طاری ہوگئی، اور صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا، آنکھیں آنسوؤں سے نمناک اور زبان گنگ ہوگئی، اور قلبی وذہنی اضطراب وبے چینی کا کچھ ایسا عالم تھا کہ جس کو الفاظ کی لڑی میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اس لئے کہ آپ کی جامع وہمہ گیر شخصیت نے ہرمحاذ پر ملت کی رہنمائی فرمائی ہے، اس لئے ہر میدان میں ہمیشہ آپ کے کردار وعمل اور عرفان وفیضان کے نقوش جاوداں امت کے لیے مشعلِ راہ اور سنگ میل کا کام دینگے، آپ کی ذات ستودہ صفات سے ملت بیضاء کی رگہائے پژمردہ میں خونِ زندگی دوڑا، اور انسانیت کو پیغامِ خداوندی ملا اور آپ نے ملت کے سامنے زندگی وزندہ دلی، رفعت وتابندگی کے رازہائے سربستہ وافرمائے، یقیناً ایسے اہل اللہ کا دنیا کو الوداع کہنا ایسا ہی ہے جیسے دنیا ہی ہم سے روٹھ گئی ہو، آنجناب نے اپنی علمی وعملی زندگی اور کردار وگفتار سے حُب الٰہی وعشق نبوی کی صحیح تصویر کھینچ کر امت کو اس سے وابستہ کرنے کی سعی مشکور فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کسی شاعر نے سچ کہا!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتاہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی نمازِ جنازہ بعدِ مغرب سنسارپور کی مشہور عیدگاہ

میں معروف علمی شخصیت مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم و شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ نے پڑھائی، اور آپ کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، آہ! آپ ایک بافیض عالم دین، صادق حکیم، عظیم مصلح، بڑے اللہ کے ولی تھے، خلقی طور پر بڑے وجیہ، خوش رو اور خوش دل تھے، اور ذکرِ الٰہی کی چمک آپ کے چہرۂ انور پر ہویدا تھی، علم ظاہر اور علم باطن میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ تواضع وانکساری کا مجسمہ تھے، لہجہ سبک، الفاظ نرم اور زباں ایسی شیریں تھی کہ جو بھی آپ سے ملتا آپ کا اسیر ہو جاتا، بقول علامہ اقبال:ع

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کے سچے مصداق اور مظہر اتم تھے، آپ کا سلوک ہر ایک کے ساتھ عالمانہ داعیانہ اور مشفقانہ تھا، منفی باتوں کو مثبت رخ دینے کا ہنر خوب جان تے تھے، آپ انتہائی صابر وشاکر تھے، گالیاں سن کر بھی دعاء دینا آپ کی تواضع اور وسعتِ قلبی کا واضح ثبوت تھا، ہمیشہ انداز ناصحانہ تھا، جب آپ سے کوئی بیعت ہوتا تو فرماتے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے نسخہ لکھوایا، اگر اس کو حکیم و ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق استعمال کیا تو منجانب اللہ فائدہ کی توقع ہے، اور اگر نسخہ جیب میں رکھ لیا تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، امت کے سسکتے و بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھ کر فرماتے: أم اتخذ الٰهہٗ هواه۔ کہ آج کل لوگوں نے اپنی خواہشات کو ہی عملا خدا بنالیا ہے، آپ چونکہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے تحت نبیؐ کے سچے وارث وامین تھے، اس لئے واردین وصادرین ہی نہیں بلکہ اپنے اولاد واحفاد، اقرباواعزاء کی ظاہری باطنی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ کے ضمیر میں شامل تھی، ہر آنے والے کو قیمتی نصائح سے نوازتے، طالبانِ علوم نبوت سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور سبھی کو حکم فرماتے کہ وہ طلبۂ دینی سے پیار ومحبت، الفت ومودت اور اخلاق کریمانہ سے پیش آئیں، غبی اور کمزور طالب علم کو اپنے مشفقانہ طریقے اور حوصلے وہمت کے قصے بتا کر ان کے ارادوں کو توانائی بخشیں۔

بقول شاعر:

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقہ سے تراشا جائے

آپ خود بھی بہت زیادہ صابر تھے، اپنی اولاد اور لوگوں کو صبر واستقامت کی تلقین فرماتے تھے، نیز اتحاد واتفاق کی بہت تاکید فرماتے تھے، آنجناب کی خدمتِ اقدس میں کتنے ہی نظریاتی وسیاسی اختلاف کے شکار لوگ حاضر ہوتے، آپ کی بے چین طبیعت جب تک ان مسائل کا حل نہ ہو جاتا آرام سے بیٹھنے نہ دیتی، کتنے ہی لاینحل مسئلے آنجناب کی ذاتِ بابرکت کی بدولت حل ہوگئے، کئی دفعہ ایسے حالات بھی مشاہدہ میں آئے کہ باہمی رسہ کشی میں دوفریق میں زبردست تصادم ہوا، گولیاں چلیں، آنجناب نے اُن کے بیچ میں جا کر صلح وصفائی کا کارنامہ انجام دیا، اکثر فرماتے، مالِ حرام سے اجتناب کریں، ہر کام کو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دیں، کیونکہ قبولیتِ عمل عنداللہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، علم کو عمل سے مزین کریں، اس کے بغیر علم نفع وفائدہ سے خالی رہتا ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزنور ستہ اس گھر کی نگہ بانی کرے
آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لیکر

گوشۂ مکرم

سانحۂ وفات حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوریؒ

مولانا سید محمد شاہد حسنی، جنرل سکریٹری جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

امت مسلمہ کے تمام دینی و اصلاحی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور صاحب ارشاد شخصیت حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری ۲۲/ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ ۲۲/جولائی ۲۰۲۲ء بروز جمعہ انتقال فرما گئے، اطلاع کے مطابق نماز جمعہ سے قبل آپ نے جمعہ کی تیاری کے لئے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے اور چند ہی منٹ بعد فرشتہ اجل آپ کی روح پرواز کرنے کے لئے پہنچ گیا، اس موقع پر بے اختیار اہل تعلق کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے واقعہ وفات سے حد درجہ مشابہت یاد آ گئی کہ حضرت مولانا ندوی بھی نماز جمعہ کے لئے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی، مولانا ندوی اور مولانا سنسار پوری دونوں شیخ وقت حضرت مولانا عبد القادر رائپوری کے خاص اور مجازین بیعت تھے، اس لئے یہ مشابہت اتفاقی نہیں بلکہ بہت معنی خیز ہے۔

مولانا سنسار پوری کے والد ماجد مولانا حکیم سید محمد اسحاق کو بھی حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری سے نسبت اختصاص حاصل تھی، آپ نے تمام دینی تعلیم جامعہ مظاہر علوم میں حاصل کر کے، شعبان ۱۳۴۱ھ اپریل ۱۹۲۳ء میں فراغت پائی، بخاری شریف آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے پڑھی تھی، اس لحاظ سے آپ حضرت مہاجر مدنی کے آخری دور کے تلامذہ میں شامل ہوئے، حصول تعلیم کے بعد تکمیل سلوک کی غرض سے جب آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو حضرت نے مشورہ دیا کہ رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے اپنا رابطہ قائم کریں، چنانچہ آپ کو حضرت رائے پوری نے بیعت فرما کر معمولات اور اوراد کار کی تلقین فرمائی اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد خلافت واجازت بھی مرحمت فرما دی۔

۲/صفر ۱۳۷۵ھ ۲۳ستمبر ۱۹۵۵ء بروز جمعہ مختصر علالت کے بعد آپ کی روح قفص عنصری سے ایسی حالت میں پرواز کر گئی کہ زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا، حضرت مولانا سید مکرم حسین آپ ہی کے فرزند ارجمند اور خلف الرشید تھے، جنکی ولادت رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ جنوری ۱۹۳۳ء میں قصبہ سنسار پور ضلع سہارنپور میں ہوئی، حفظ قرآن پاک کے بعد پہلی محراب رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ اگست ۱۹۴۷ء مین سنائی، بعد ازاں فارسی و عربی کی متعدد کتب اپنے والد ماجد سے پڑھ کر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں مختصر معانی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور درجہ بدرجہ درس نظامی کی تکمیل کرتے ہوئے شعبان ۱۳۷۱ھ مئی ۱۹۵۲ء میں جامعہ مظاہر علوم کے کبار اساتذہ مولانا عبد الطیف، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا منظور احمد، مولانا مفتی سعید احمد اور مولانا اسعد اللہ سے دورہ حدیث شریف پڑھا، بارہ سال کی عمر

میں آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے تھے، پیرومرشد کو آپ سے نہ صرف دلی لگاؤ تھا بلکہ گہری انسیت اور محبت تھی، چنانچہ بلند الفاظ سے آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے اپنی وفات کے بعد اپنے ارادت مندوں کو آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے، ایک موقع پر ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مولانا مکرم حسین حضرت مولانا محمد اسحاق مرحوم کے صاحبزادے ہیں، سید ہیں، عالم ہیں، نیک ہیں، ہم نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دی ہے، ہمارے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا پلہ پکڑ لینا، اور اپنا اصلاحی تعلق ان سے قائم کر لینا، پوری زندگی آپ اپنے وطن قصبۂ سنسار پور میں درس و تدریس وعظ وتلقین اور ارشاد و سلوک میں مشغول رہ کر مدرسہ اور خانقاہ کے راستہ سے خلق خدا کو فیضیاب کرتے رہے، فن طبابت میں بھی آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے جس طرح آپ کو مختلف صفات اور محامد، حسن خلق، تواضع، کسر نفسی، جود وسخاوت، صلح رحمی، شفقت علی الخلق سے مزین کیا تھا، ایسے ہی حق پسندی اور حق گوئی بھی آپ میں ودیعت فرمائی، چنانچہ جب کبھی حق بات کہنے کی ضرورت پیش آئی، تو بلا کسی خوف خطر کے آپ نے حق کا اظہار کیا، چنانچہ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ۱۹۷۷ء میں حکومت کی طرف سے جب نس بندی کے مسئلہ پر ظلم وتعدی کی حد ہوگئی، تذبذب وتذلزل اور خوف وہراس پورے ماحول پر چھا گیا، تو آپ نے بڑی استقامت اور مظبوطی کے ساتھ اپنے اہل تعلق اور علاقہ والوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اس موقع پر خوب توبہ واستغفار کرتے ہوئے دعائیں کرنی چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ ہم کو آزمائش وابتلا میں مبتلا نہ فرمائے۔

اور پھر بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ اگر خدانخواستہ یہ عاقبت نا اندیش حاکم باز نا آئے اور ہمارے دین حق سے کھلواڑ کیا، تو ان شاء اللہ سر پر کفن باندھ کر میدان میں اتریں گے، اور جام شہادت نوش کریں گے، جب تک دین حق کو سربلندی نصیب نہ ہوجائے۔

حضرت حکیم صاحب موصوف کے اس ایمانی جوش و شجاعت سے بھرپور الفاظ سن کر سامعین کے ایمان ویقین میں پختگی آ گئی اور پھر چند روز بعد حکومت بھی بدل گئی، جامعہ مظاہر علوم کے ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں اس کی مجلس شوری میں اپنے اپنے وقت کے عارفین و صالحین کی اکثریت اور ان کا باوقار دبدبہ رہا ہے، اس تاریخی تسلسل اور عملی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے چند سال قبل حضرت مولانا مکرم حسین موصوف کا انتخاب بھی بحیثیت رکن شوری عمل میں آیا، آپ اپنے گونا گوں اعذار وطبعی موانع کے باوجود بہت فکر واہتمام کے ساتھ شوری کے اجلاس میں تشریف لاتے رہے، آپ کے اخلاف میں جناب حافظ مزین حسین مع دیگر برادران اور مولوی محمد عزیر مع برادران موجود ہیں اور سب ماشاء اللہ نیک اطوار اور صالح طبیعت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو حضرت حکیم صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ آپ کے قائم کردہ مدارس خانقاہوں اور دینی مجالس اور محافل کی بہترین آبیاری فرمائے اور حفاظت فرما کر دینی و دنیوی ترقیات سے ہمکنار فرمائے۔

اقوال زرین حضرت علیؓ

کمینے انسان کو جب بلند مرتبہ مل جاتا ہے
تو وہ سرکشی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔

گوشۂ مکرم

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوریؒ

مولانا عبدالمالک بلندشہری

یہ سن کر دل کو سخت دھچکا لگا کہ سراج السالکین حضرت مولانا شاہ سید مکرم حسین سنسار پوری بھی راہیٔ ملک عدم ہوگئے، وہ موجودہ دور کے ممتاز بزرگ اور مغربی یوپی کے سب سے بافیض اور عالی نسبت شیخ، قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے اور سہارنپور کے ایک چھوٹے سے قصبے سنسار پور میں رہ کر تربیت و ارشاد کا فریضہ انجام دے رہے تھے، ان سے بلامبالغہ ہزاروں لوگوں نے کسب فیض کیا، ان کی ذات سراپا خیر و برکت تھی، حکمت وطبابت کے پیشہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے جسمانی بیماریوں کے علاج کا بھی سلسلہ جاری تھا اور دور دراز سے لوگ ان کے پاس علاج کے لیے آتے اور جسمانی وروحانی فیوض وثمرات حاصل کرتے۔

آپ کی ولادت 1933ء میں ہوئی، والد ماجد مولانا سید اسحٰق سنسار پور کے ماہر حکیم اور مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ قدس سرہ کے باکمال خلیفہ تھے، حضرت سنسار پوری نے مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی، پھر فن طبابت کی طرف متوجہ ہوئے، اس سلسلہ میں اپنے والد ماجد سے کسب فیض کیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے دینی، علمی، روحانی خدمات انجام دینی شروع کیں، آپ کو عنفوان شباب ہی میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت و ارشاد کا تعلق قائم کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، آپ نے ان سے خوب استفادہ کیا، مرشد کو بھی آپ کی طبعی شرافت اور فطری نجابت کی وجہ سے بڑی انسیت تھی، انہوں نے آپ کے اندر آثار ارشاد دیکھ کر آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی اور مخلوق کو اللہ کا نام سکھانے کا حکم دیا، آپ نے مرشد کے حکم سے سلسلۂ بیعت شروع کیا جو قلیل عرصہ میں حدود وثغور سے ماورا ہوگیا، آپ کے مریدین ومسترشدین کی تعداد بلامبالغہ لاکھوں سے زیادہ ہے، آپ کے خلفاء مجازین میں مولانا یحیٰ نعمانی ندوی مدظلہ، مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مدظلہ اور مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن کوثر مدنی مدظلہ وغیرہ شامل ہیں۔

الحمد للہ اس ناکارہ کو حضرت والا کے ہاں کئی دفعہ حاضر ہونے اور طویل مدت تک قیام کرنے کا شرف حاصل ہوا، جب بھی ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، ان کی ایمان افروز مجالس، پرسوز نصائح اور روشن کردار سے زندگی جینے کا سبق ملا، اگرچہ استفادہ وحصول خیر کی نیت سے ان کی صحبت میں کئی دفعہ حاضر ہوا، مگر افسوس اپنی نااہلی اور عدم استعداد کی بناء پر کچھ حاصل نہ کرسکا اور محروم کا محروم ہی رہا، ہائے وہ ساقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں سے شراب طہور کی مے پلا کر مدہوش کیا کرتا تھا، جس کے پاکیزہ کردار کی خوشبو سے ہم گناہ گاروں کے گناہوں کی بدبو دور ہوتی تھی۔

اللہ پاک حضرت سنسار پوری کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی دینی وایمانی خدمات کو قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

گوشۂ مکرم

حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوریؒ اور مظاہر علوم سے مربوط کچھ یادیں

مفتی ناصرالدین مظاہری

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوریؒ نے ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ کو بعد نماز جمعہ زندگی کا آخری سانس لیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آ عندلیب! مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

آپؒ کی رحلت سے ایسا محسوس ہوا کہ سہارنپور گویا یتیم ہوگیا ہے۔

شورے شد و از خوابِ عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ، غنودیم

تاریکیاں پہلے ہی کیا کم تھیں کہ اس میں مزید اضافہ ہوگیا ہے:

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

۲۰۰۳ء میں جب فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کا وصال ہوا اور مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے ترجمان ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم کا خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسینؒ نے ایک خوبصورت مضمون مفتی صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرمایا، یہ مضمون کیا ہے حق رفاقت ادا کردیا ہے، اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے، حکیم صاحبؒ درجہ ناظرہ قرآن پاک سے دورۂ حدیث شریف تک مفتی صاحبؒ کے رفیق درس تھے، اسی لئے اپنے مضمون میں مفتی صاحب کو رفیق درس کے ساتھ ساتھ ''رفیق الغار'' بھی تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ

''رفیق محترم حضرت الحاج مفتی مظفر حسین صاحبؒ رفیق درس اور رفیق الغار جن کی رفاقت پر فخر محسوس کرتا ہوں عجیب مرد صالح و مکمل بلکہ اگر کہا جائے کہ ماوراء الظاہر انسان تھے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا''۔

حضرت نے اپنے اس مضمون میں جو یادداشتیں قلم بند فرمائی ہیں، وہ تاریخ کا بہت اہم حصہ ہیں اور ممکن ہے تاریخ نویسوں کی نظروں سے وہ گوشے مخفی و مستور رہ جائیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ خود حکیم صاحبؒ کی اس تحریر گرامی کے دو ایک اقتباسات کو آپ یہاں اِن صفحات میں بھی پڑھتے چلیں، جس سے خود حکیم صاحب کی حیات مستعار کا ایک اہم باب متعلق اور معلق ہے، فرماتے ہیں:

''بچپن کے ساتھی حتیٰ کہ قرآن پاک پڑھنے کے زمانہ میں دفتر مدرسہ قدیم میں ہمارے یہاں کے استاذ حضرت حافظ مقصود احمد خان صاحب سنسارپوریؒ درجہ حفظ میں حضرت مولانا سید عبد اللطیفؒ کے زمانہ نظامت میں پڑھاتے تھے، چونکہ حضرت

مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ ہمارے عزیزوں میں سے ہوتے ہیں، قرآن پڑھنے کے زمانہ میں حضرت والد صاحب مرحوم کی علالت کی وجہ سے ڈاکٹر برکت علی صاحب کے علاج کے سلسلہ میں تقریباً ۶/ماہ سہارنپور حضرت ناظم صاحب کے مکان پر ہی قیام رہا، تو اس زمانہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے درس قرآن کا ساتھی ہونے کا فخر حاصل ہے، اس کے بعد بھی درس نظامی کی کتابوں میں بھی (بقول حضرت مفتی صاحب) ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہے''۔

حضرت حکیم صاحب نے مفتی صاحبؒ سے اپنے تعلق اور دیرینہ مراسم کا ذکر کرنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے اپنے بھائی مولانا مظفرحسینؒ سنسارپوری کا ذکر بھی کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''قلبی لگاؤ اور والہانہ تعلق کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے بڑے بھائی جن کا نام بھی مظفرحسین ہی تھا، جو بعینہٖ حضرت مفتی صاحبؒ کے ہم شکل حتی کہ چال وڈھال، وضع وقطع، سنجیدگی و متانت اور تقویٰ وطہارت میں یکساں تھے، درس نظامی سے میرے ساتھ ہی فراغت حاصل کی تھی، جواللہ آباد میڈیکل سے ایف ایم بی ایس کی ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی تھی، افسوس نوجوانی کے عالم میں شادی سے پہلے ایک قلبی مرض میں گرفتار ہوکر بارگاہ الٰہی میں پہنچ گئے۔

بہرحال حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو بڑی خصوصیات عطا فرمائی تھی، جن کے بارے میں حضرت والد صاحب جو حضرت اقدس رائے پوری کے اجل خلفاء میں سے تھے، بھائی صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ مظفرحسین بڑا مخلص ہے، اور اپنے اور میرے بارے میں فرماتے تھے کہ ہم لوگوں میں ریاکاری ہے''۔

عام طور پر معاصرین اپنے کسی معاصر کا ذکر کرنے میں الفاظ اور تعبیرات کا استعمال بہت ناپ تول کر کرتے ہیں، المعاصرة اصل المنافرة مشہور مقولہ ہے لیکن حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسینؒ نے اپنے قول وعمل اور تحریر وتقریر سے اس قول کو غلط کر دکھایا، چنانچہ خود اپنے رفیق وزمیل اور ساتھی ومعاصر کی خوبیوں، خصوصیتوں اور کمالات کا ذکر کرتے ہوئے دیکھئے کس قدر اتر کر اور نزول فرما کر اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے:

''حضرت مفتی صاحب کا تذکرہ بلکہ ان کی کن کن خصوصیات کا تذکرہ لکھا جاوے یا کہا جاوے کہ پیدائشی ولی تھے تو بیجا نہ ہوگا، علوم ومعرفت، محدث ومفسر، فقیہ الامت تو تھے ہی، حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو علوم ومعرفت کا ایک بحر بیکراں بنایا تھا، اس کے بعد بھی ان کے اندر بے نفسی، تواضع، انکساری، ہمدردی، دلداری ودل جوئی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، باوجود اپنی گوناگوں بیماریوں اور مختلف عوارضات کسی کو محروم نہ فرماتے اور دور دراز سفر کے لئے تیار ہوجاتے، آخر زمانہ میں تو بیحد اسفار اور مشغولیات بڑھ گئی تھیں، میری رمضان المبارک سے قبل حاضری ہوئی تو میں مسجد میں تھا، نماز سے فراغت کے بعد مسجد کے باہر صحن میں ٹہل رہے تھے تو بڑے بے تکلفانہ انداز سے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ اپنی مسند پر برابر میں بٹھایا، میں نے عرض کیا کہ آج تو آپ نے مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم کی یاد تازہ کردی۔''

۱۹۸۷ء میں مظاہرعلوم میں حالات بہت خراب ہوئے، تبصرہ بازی سے تبرابازی تک، الزام تراشی سے مقدمہ بازی تک کیا کچھ نہیں ہوا، ایسے مشکل اور کٹھن صبرآزما حالات سے حضرت مفتی مظفرحسینؒ کس قدر کبیدہ اور بددل تھے، اس کا اظہار کوئی ہم جیسا چھوٹا موٹا شخص کرے تو صحیح اندازہ نہیں

ہوسکتا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایک چھوٹا سا اقتباس حضرت مولانا حکیم مکرم حسینؒ کے قلم حقیقت رقم سے پیش کرتا چلوں:

''مظاہر علوم کے فتنہ کے دوران اکثر و بیشتر حضرت مفتی صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا وسیم احمد صاحب کو ساتھ لے کر سنسار پور تشریف لے آتے اور فرماتے کہ جب اِن حالات سے تکلیف محسوس ہوتی ہے تو میں رائے پور یا سنسار پور آجاتا ہوں اور یہ بھی فرماتے کہ یہ مسئلہ حل ہوجائے تو میں چھوڑ چھاڑ کر سنسار پور آجاؤں گا، بہرحال اس فتنہ سے بڑے فکر مند اور بڑے پریشان رہتے تھے، جس نے مظاہر علوم کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا''۔ (فقیہ الاسلام نمبر)

نہ صرف یہ کہ حضرت مفتی مظفر حسینؒ کا حضرت سنسار پوریؒ سے نہایت تعلق تھا بلکہ مظاہر علوم کے اکابر و اسلاف بالخصوص حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف پورقاضویؒ اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا ظریف احمدؒ پورقاضویؒ، حضرت مولانا ظہور الحق دیوبندیؒ وغیرہ اکابر حضرت کے مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور میں مستقل امتحانات لینے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اِن خدارسیدہ اسلاف کے بعد جب تک قویٰ کمزور نہیں ہوگئے، حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور میں امتحانات لینے کے لئے تشریف لے جاتے رہے اور جب ضعف بڑھ گیا، اعذار و موانع درپیش ہوگئے، ہجوم کار اور مشغولیات مانع ہوگئیں تو مظاہر علوم کے دوسرے مدرسین کو بھیجنا شروع فرمادیا۔

حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ سے مفتی صاحب کے تعلق اور محبت کا اس واقعہ سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو قاری مرغوب الرحمٰن آدم پوری نے فقیہ الاسلام نمبر میں لکھا ہے، قاری صاحب لکھتے ہیں:

''۱۴۰۳ھ میں احقر نے حضرت والا اور علامہ محمد یامین صاحب ناظم تعلیمات مظاہر علوم کی غریب خانہ پر دعوت کی، حضرت والا اور علامہ صاحبؒ بذریعہ رکشہ آدم پور تشریف لائے، آدم پور میں حضرت والا کی یہ پہلی آمد تھی، حضرت سے احقر نے عرض کیا کہ مسجد میں کچھ لوگ آپ سے ملاقات کیلئے بیٹھے ہیں، کھانے سے فارغ ہوکر کچھ دیر کیلئے مسجد میں تشریف لے چلیں حضرت والا نے فرمایا ٹھیک ہے، جب حضرت والاؒ مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا ماشاء اللہ جامع مسجد ہے، اس پر گاؤں کے ایک صاحب محمد عارف نے کہا حضرت جامع مسجد کہاں ہے، یہاں بستی بھی چھوٹی ہے، اس لئے یہاں جمعہ نہیں ہوتا، حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں تو جمعہ ہوسکتا ہے، ہم سہارنپور سے بذریعہ رکشہ آئے ہیں، شہر سے بستی تک کی کیفیت سے تو یہ ہی محسوس ہوا ہے، معلوم کیا کتنی آبادی ہے اور فرمایا کہ اس میں ہندو مسلم اور ایک دن کا بچہ بھی ہو سب کی تعداد بتائیں، یہ کیفیات لکھ کر آپ لوگ یہ فتویٰ لکھ کر مدرسہ لے آئیں، معائنہ تو میں نے کرلیا، حضرت والا کی اس بات سے لوگوں کو نماز جمعہ کا اشتیاق ہوگیا۔

اب لوگوں کے درمیان جمعہ کا مسئلہ موضوع بحث بن گیا، دو چار دن بعد استفتاء لکھ کر احقر اور کچھ احباب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے وہ استفتاء حضرت مولانا مفتی عبد القیوم صاحب کو سونپ دیا اور فرمایا کہ میں اس بستی میں گیا تھا، اس کا جواب تحریر فرمادیں، کچھ معلوم کرنا ہو کرلیجئے، تین دن بعد یہ فتویٰ مل گیا جس میں نماز جمعہ کی اجازت ہوگئی۔

حضرت والاؒ سے درخواست کی گئی کہ آدم پور میں نماز جمعہ کے آغاز کے موقع پر آپ تشریف لائیں، اہل بستی کی خواہش ہے کہ جمعہ کی پہلی نماز آپ کی اقتداء میں ادا کریں، حضرت والا نے اہل بستی کی دعوت کو بخوشی منظور فرمالیا، اہل بستی نے اس کے لئے

انتظامات کر لئے ،قریبی گاؤں میگ چھپر، ایگھری، بھاؤ پور کے کچھ لوگ آدم پور آئے اور کہنے لگے یہاں جمعہ کا فتویٰ جو ملا ہے دکھاؤ،فتویٰ دکھایا،فتویٰ میں لکھا تھا کہ گاؤں شہر سے اتنی دور ہے شہر کی اذانیں وغیرہ سنائی دیتی ہیں تقریباً بارہ سو لوگوں کی آبادی ہے یہ گاؤں میونسپلٹی کی حد میں ہے،ان لوگوں نے کہا کہ یہ فتویٰ غلط ہے،میونسپلٹی کی حد چنگی کے اندر اندر ہے اور یہ گاؤں چنگی کی حد سے باہر ہے،اس لئے فتویٰ غلط ہے، یہاں جمعہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اب آدم پور کے بھی کچھ لوگ ان کے ساتھ لگ گئے، گاؤں کے لوگ اس مسئلہ کو لے کر پھر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت اس طرح کی بات ہورہی ہے اور گاؤں تو چنگی کی حد سے واقعی باہر ہے،اب کیا کریں حضرت والا نے ہنس کر فرمایا کہ ہم نے میونسپلٹی کی شرط پر فتویٰ نہیں دیا ہے، ہم نے صرف فنائے مصر ہونے کی بنیاد پر جمعہ کا فتویٰ دیا ہے، ان سے کہہ دو اور مزید کسی کو معلومات کرنی ہو تو کہہ دو کہ پرسوں کو مظفر آ کر نماز جمعہ پڑھائے گا، جس کو اشکال ہو میرے سے بات کریں۔

اب لوگوں میں ایک طرح سے جان آئی اور آ کر یہ بات ان لوگوں سے بتائی، اب حضرت والا نماز جمعہ کیلئے تشریف لائے،آپ کے ہمراہ حضرت مولانا علامہ محمد یامین صاحب ناظم تعلیمات مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، حضرت مولانا مکرم حسین صاحب مدظلہ سنسار پوری خلیفہ حضرت رائے پوری ،حضرت مولانا بشیر احمد صاحب امام مسجد مبارک شاہ ،حضرت مولانا عبد الحمید صاحب مرزاپوریؒ تشریف لائے ،حضرت اقدس مفتی صاحب نے نماز جمعہ پڑھائی، اس کے بعد حضرت مولانا بشیر احمد صاحب نے ایک گھنٹہ بیان فرمایا، حضرت مفتی صاحب نے پھر دعا فرمائی، بہت لوگ لائن لگا کر سلام اور مصافحہ سے مستفید ہوئے اور حضرت والا کی ضیافت کیلئے ملا محمد یٰسین کے مکان پر تشریف لائے ،کھانے سے فارغ ہونے پر وہ لوگ آ گئے جو فتویٰ کو غلط بتا رہے تھے ،انہوں نے ایک کتاب ہاتھ میں لے رکھی تھی، حضرت سے کہا، یہاں جمعہ کی اجازت کس بنیاد پر ہے، چھوٹا سا گاؤں ہے اور استفتاء میں لکھا ہے کہ گاؤں میونسپلٹی کی حد میں ہے یہ غلط ہے، میونسپلٹی چنگی کے اندر ہے اور گاؤں اس سے باہر ہے، حضرت مولانا مکرم حسین صاحب نے فرمایا کہ حضرت والا مفتی اعظم ہیں، معائنہ خود کیا ہے، نماز جمعہ خود پڑھائی ہے، اس کے بعد اشکال کی گنجائش ہی نہیں ، رہی بات میونسپلٹی کی، ہمیں کہیں اس میں نوکری کرنا ہے کہ اس کا ہونا ضروری ہے، مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ آدم پور کہاں ہے ،پہلی بار حاضر ہوا ہوں، جب یہاں کے لوگ یہ دعوت لے کر میرے پاس آئے، میں نے کہا کس کا فتویٰ ہے، کون جمعہ پڑھائے گا؟ جب معلوم ہوا کہ مظاہر علوم کا فتویٰ ہے اور حضرت مفتی صاحب نماز جمعہ پڑھائیں گے، یہ نام سنتے ہی مزید کچھ معلوم کرنے کی گنجائش نہ رہی، فوراً یہاں آنے کی دعوت قبول کر لی، اس وقت حضرت والا ہی ہمارے مقتداء ہیں،علمی کارواں آپ کی قیادت پر فخر کرتا ہے،آپ کے فتاویٰ علمی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

حضرت والاؒ نے فرمایا میں نے اس گاؤں کا معائنہ کیا اور آج نماز جمعہ پڑھائی ہے، میں فنائے مصر ہونے کی بنیاد پر فتوی دیا ہے، یہ بستی فنائے مصر میں داخل ہے اور یہ شرط تمام شرطوں پر غالب ہے، آپ کو جو مفتی بلانا ہو بلا کر معائنہ کرا لیں اور مجھے بھی بلا لیں، اس کے بعد یہ لوگ ایک دو جگہ اس مسئلہ کو لیکر گئے جس مفتی کو معلوم ہوتا کہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین

صاحب نے معائنہ کیا ہے ،نماز بھی آپ نے پڑھائی ہے،تو سبھی علماء یہی کہتے کہ اگر حضرت والا نے نماز جمعہ پڑھائی اور معائنہ کیا ہے تو پھر اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کی مزید گنجائش نہیں رہ گئی۔(فقیہ الاسلام نمبر)

ایک دفعہ مدرسہ احیاء العلوم پٹلوکر ضلع سہارنپور میں مدرسہ کے مہتمم مکرم مولانا محمد طاہر صاحب کی دعوت پر امتحان لینے کے لئے پہنچا،امتحان سے فارغ ہوکر میں نے مولانا محمد طاہر صاحب سے عرض کیا کہ مجھے حضرت سنسار پوری سے ملاقات کرنی ہے، چنانچہ مولانا نے مدرسہ کے ایک استاذ کو میرے ساتھ کردیا، میں حضرت کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب عصر کے بعد مجلس جاری تھی ،مشہور عالم مولانا محمد سلیمان خوش حال پوری کوئی کتاب پڑھ رہے تھے، لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا،اس لئے بالکل اخیر میں بیٹھ گیا،حضرت کی پوری توجہ کتاب پرتھی لیکن خدا جانے کیسے مجھ پرنظر پڑ گئی ،سر اٹھایا اور فرمایا آگے آیئے !میں حضرت کے دائیں جانب پہنچا، کتاب کی قراء ت رک گئی،حضرت نے مجھے اپنے قریب بلایا،سر پر دست شفقت رکھا،مصافحہ کی سعادت بخشی ،مولانا سلیمان قاسمی خوشحال پوریؒ مجھ سے پہلے سے واقف اور بے تکلف تھے،انہوں نے صرف میرا نام ہی لیا تھا کہ حضرت نے شفقت آمیز انداز میں پھر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا،میرے سر کو تقریباً اپنے سینے سے لگالیا اور دو ایک تعریفی کلمات میری تحریر کی بابت ارشاد فرمائے ۔پھر حضرت نے مدرسہ کے ایک استاذ کو حکم فرمایا کہ مولانا کو دار جدید دکھا کرلاؤ، میں نے دار جدید کی زیارت کی ،تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ساتھی نے مجھ سے چلنے کے لئے کہا کہ حضرت انتظار فرمارہے ہوں گے، میں نے کہا کہ اتنی بھیڑ میں کہاں یاد رہے گا کہ کون آیا ہے ، جواب ملا کہ حضرت سب کو یاد رکھتے ہیں اور واقعی ایسا ہی ہوا، جب دوبارہ حضرت کی خدمت میں پہنچا تو ناشتہ تیار تھا،خود حضرت بھی دسترخوان پر موجود رہے اور شفقت وتوجہ فرماتے رہے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت میری یہاں حاضری کی وجہ مولانا محمد طاہر کے مدرسہ کا امتحان بنا ہے۔مسکرائے اور فرمایا کہ وہ بھی اپنا ہی مدرسہ ہے آتے رہنا۔

یہ حضرت سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات تھی جس کا نقش ونقشہ اب تک قائم ہے، اس کے بعد بھی ملاقات وزیارت کی توفیق ملتی رہی ،ایک آدھ بار فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے ساتھ جانا ہوا اور بار بار جانشین فقیہ الاسلام حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ کے ساتھ جانے کی سعادت ملی۔اخیر سفر میں حضرت کافی ضعیف ہوچکے تھے،شاید یادداشت کافی متأثر تھی لیکن پھر بھی نہ صرف مولانا محمد سعیدی مدظلہ کو پہچانا بلکہ کئی قیمتی باتیں بھی کیں۔

ایسی خدارسیدہ شخصیت کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا بلا شبہ ایک ملی سانحہ ہے۔ہم اس سانحہ پر نہ شکوہ کرسکتے ہیں، نہ گریہ وبکا سے آسمان سر پر اٹھا سکتے ہیں، البتہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سراپا ارشاد ”اذکروا محاسن موتاکم“ پر ان شاء اللہ عمل پیرا رہیں گے،دعائیں،ایصال ثواب ،ان کی تعلیمات پرعمل ،ان کے اقوال وملفوظات کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرنے کی سعی وکوشش کرتے رہنے کا عہد کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ خدایا! حضرت والا کو آپ نے اس سنسار میں جس طرح قبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی تھی بالکل اسی طرح اُس سنسار میں بھی نیکوں اور نیکوکاروں کا معاملہ فرما۔

☆☆☆☆☆

گوشۂ مکرم

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

پیرِ طریقت حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوریؒ کا سانحۂ ارتحال

مولانا صداقت علی قاسمی مظاہری استاذ مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی

۲۲؍جولائی ۲۰۲۲ء بروز جمعہ عین اس وقت کہ جب ملتِ اسلامیہ ہندیہ جمعہ کی نماز کی تیاری میں مصروف تھی، ایک مردِ حق آگاہ اور فردِ خدا شناس نے راضیۃً مرضیّۃً کے قرآنی مژدہ سے سرشار ہوکر نہایت عجلت و بیتابی کے ساتھ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور اس کے جلو میں دنیا والوں کو اپنے بابرکت و بافیض وجود سے محروم کرکے سفرِ آخرت پر روانہ ہوگیا: یعنی (مؤرخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ) بروز جمعہ بوقت دوپہر ساڑھ بارہ بجے شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلسِ شوریٰ کے مؤقر رکن، امراضِ جسمانی کے طبیبِ حاذق، علومِ دینیہ کے عالمِ ربانی اور تصوف وسلوک کے پیرِ طریقت حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوری نے طویل علالت کے بعد زندگی کی نوے/بانوے بہاریں دیکھ کر اپنے وطن سنسارپور ضلع سہارنپور میں زندگی کی آخری سانسیں لیں اور اپنی روحانی وعرفانی فیض رسانیوں کو یک لخت موقوف کرکے عالم جاودانی کی طرف رحلت کرگیے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

آپ کا انتقالِ پرملال بلاشبہ علمی ودینی حلقوں کا ایک عظیم خسارہ اور ہندوستان کے موجودہ تیرہ وتار ماحول کی ظلمت میں مزید اضافہ کردینے والا حادثہ ہے کہ جس نے مظلوم وبے کس ہندی مسلمانوں کا ایک مضبوط روحانی وعرفانی سہارا ان سے چھین لیا اور ہمدردی وخیر خواہی، شفقت ومحبت، جرأت وہمت اور جذبہ وحوصلہ جیسے اہم اوصاف سے نوازنے والی ایک عظیم ہستی سے انہیں محروم کردیا، آپ کی رحلت سے سلفِ صالحین اور بزرگانِ دین کے سلسلے کے ان افراد کا تو اب تقریباً خاتمہ ہی ہوگیا کہ جو شریعت وطریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کے حامل اور ''بر کفِ جامِ شریعت بر کفِ سندانِ عشق'' کا حقیقی مصداق ہوا کرتے تھے نیز جو اپنی عالی نسبی علوّ مکانی اور خاندانی خوش حالی کے باوجود تواضع وخاکساری کے پیکر، عاجزی وانکساری کے خوگر، شفقت ومحبت اور ہمدردی وخیرخواہی کے عادی، انسانیت نوازی، غریب پروری اور اسلامی مساوات ورواداری کے علمبردار اور حسنِ اخلاق، اعلیٰ کردار اور شیریں گفتاری کے آئینہ دار ہوا کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلقِ خدا پر حد درجہ شفیق ومہربان، ان کے دکھ درد میں ان کے کام آنے والے اور نامساعد حالات میں ان کی ہمت وڈھارس بندھانے والے ہوتے تھے، لاریب کہ آپ بھی ان عادات وخصال کی حامل شخصیات کے سلسلۃ الذہب کی اہم بلکہ آخری کڑی تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات سے میکدۂ علم وعرفان کی محفلیں سونی پڑ گئیں ہیں اور متعلقین ومنتسبین غیر معمولی صدمہ سے نڈھال اور دوچار ہوکر رہ گئے ہیں۔

ویراں ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

شخصیت کے اہم عناصر:

آپ مظاہر علوم سہارنپور کے گلِ سر سبد اور خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائپور کے فیض یافتہ تھے نیز مدرسہ فیض رحیمی سنسار پور کے مہتمم، خانقاہ قادریہ شفائیہ سنسار پور کے مسند نشین اور دار الشفاء کاظمی سنسار پور کے طبیب وحکیم تھے، آپ نے ساری عمر اتباعِ شریعت کا خصوصی ذوق رکھنے والے ایک عالمِ باعمل، للّٰہیت وروحانیت کے مقامِ بلند پر فائز ہونے والے ایک شیخ ومربی، علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت سے دلچسپی رکھنے والے ایک منتظم ومنصرم اور جسمانی وروحانی صحت وشفا کی راہ ہموار کرنے والے ایک طبیب ومعالج کی حیثیت سے بسر کی اور ان سرگرمیوں کے آثار ونتائج کے حوالے سے حسنِ کارکردگی و بے مثال کامیابی کی ایک ایسی تاریخ رقم کر گئے کہ جس کو تا دیر فراموش نہیں کیا جا سکے گا، یوں تو آپ کی ذات گونا گوں اوصاف وکمالات کی حامل تھی اور زندگی کے مختلف محاذوں پر سرگرمِ عمل رہا کرتی تھی لیکن آپ کی قابلِ رشک زندگی کے روشن عناوین خانقاہ کی مسند نشینی، طبابت وحکمت کا پیشہ اور مدرسے کا اہتمام وانتظام رہے ہیں، ان میں بھی سب سے اہم اور نمایاں مسندِ ارشاد کی شہ نشینی ہی تھی، پھر فن طبابت کا مشغلہ اور اس کے بعد سب سے کم نمایاں مدرسے کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری کا معاملہ تھا، خاص بات یہ تھی کہ آپ ہر رنگ میں کامل اور ہر روپ میں نرالے نظر آتے تھے نیز ہر ایک پہلو کے لائق مناسب استعداد وصلاحیت سے بہرہ مند تھے۔

تصوف و سلوک:

خاص طور پر تصوف وسلوک کے باب میں تو آپ اپنی الگ ہی شان رکھتے تھے اور اس راہ میں فنائیت وللّٰہیت کے حوالے سے ولایت کے درجے پر فائز تھے، خوش قسمتی سے آپ کا تعلق نجیب الطرفین سادات کے ایک ایسے خانوادہ سے تھا کہ جس میں علم وفضل اور للّٰہیت وروحانیت کا سلسلہ صدیوں سے قائم رہا ہے اور جس کے افراد میں بہت سے صاحب نسبت بزرگ اور بحرِ معرفت کے غواص وشناور پیرِ طریقت ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، چنانچہ آپ کے قریبی بزرگوں میں پردادا حضرت حافظ صوفی سید کرم حسینؒ بڑے دادا حضرت مولانا حکیم سید فیض الحسنؒ (وفات ۱۹۰۹ء) اور حقیقی دادا حضرت حافظ ڈاکٹر سید حسنؒ (وفات ۱۹۳۳ء) تینوں حضرات امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ (وفات ۱۹۰۵ء) کے خلیفہ اور مجازِ بیعت ہوئے ہیں، جبکہ آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا حکیم سید محمد اسحٰقؒ (وفات ۱۹۵۵ء) کو قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ (وفات ۱۹۶۲ء) سے اجازت وخلافت حاصل تھی اور آپ حضرت رائے پوری کے مسترشدِ خاص اور خلیفہ اجل شمار کیے جاتے تھے، اس اعتبار سے ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق آپ کا گھرانہ گویا للّٰہیت وروحانیت کا منبع، رشد وہدایت کا مرکز اور ذکر وشغل کی ایک خانقاہ بنا ہوا تھا، نیز گھر کے اکثر افراد باطنی نسبت سے آراستہ وپیراستہ اور آہِ سحر گاہی کی لذت سے آشنا ہونے کی بناء پر نہایت ذاکرانہ وشاغلانہ زندگی بسر کرنے والے تھے، آپ نے سنسار پور ضلع سہارنپور میں واقع اپنے گھر کے اسی روحانی وعرفانی ماحول میں ماہ رمضان (۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) میں آنکھیں کھولیں اور خداترسی و پرہیزگاری نیز اتباع شریعت و پیروی سنت کی بنیادوں پر استوار ایک پاکیزہ ماحول میں پرورش پانے کا شرف حاصل کیا، محض 4/5 سال کی عمر میں کہ جب مدرسہ فیضِ رحمانی سنسار پور میں آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا تو اسی وقت سے اپنے گرامی قدر والد کے ساتھ رائے پور شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں گاہے گاہے حاضری کی

سعادت بھی آپ کو حاصل ہونے لگی اور گیارہ بارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے حضرت رائے پوری سے آپ کا باقاعدہ اصلاحی تعلق بھی قائم ہو گیا جس کا سلسلہ مظاہر علوم سہارنپور کی طالب علمی کے زمانے میں بھی نہایت شوق وذوق کے ساتھ جاری رہا، ۱۹۴۹ء میں مظاہر علوم سہارنپور سے سند فراغ حاصل کر لینے کے بعد آپ نے تزکیۂ نفس واصلاحِ باطن کی طرف ہمہ تن توجہ کی اور اس سلسلے میں اپنے شیخ حضرت رائے پوری کی بابرکت و بافیض صحبت سے مستفید ہو کر راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی غرض سے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور میں روزانہ پابندی کے ساتھ حاضر ہونے کا معمول رکھا، جس کے نتیجے میں حضرت رائے پوری کی خصوصی توجہات وعنایات آپ کو حاصل ہوئیں اور بہت جلد تزکیۂ باطن وصفائی قلب کی دولت سے مالا مال ہو کر خرقۂ خلافت وتمغۂ اجازت سے سرفراز ہوئے اور حضرت رائے پوری کے معتمدینِ خاص اور خلفائے عظام کی فہرست میں شمار کیے جانے لگے، اس ناحیہ سے آپ کی فیض رسانی کا سلسلہ حضرت والا رائے پوری کی مسلسل تاکید وحکم کے باعث آپ کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا تھا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور بہت جلد اس مقام پر پہنچ گیا کہ آپ متلاشیانِ حق وفکر کنندگانِ اصلاح نفس کا مرجع بن گئے اور روحانیت وللّٰہیت نیز دعا ومناجات کے حوالے سے ان کے ملجا وماوا کی حیثیت اختیار کر گئے، آپ کی باطنی نسبت نہایت قوی و اعلیٰ اور ظاہری حالت شریعت کے مکمل سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ آپ کو دیکھ کر دل میں اتباعِ شریعت وسنت کا ذوق بیدار ہو جاتا اور طبیعت طاعت وزہد کی طرف مائل ہو جایا کرتی تھی، اسی طرح آپ کا اندازِ تربیت بھی نہایت دلنشین اور زود اثر ہوا کرتا تھا جس میں آپ قال سے زیادہ حال کو اہمیت دیتے تھے اور حکمت ومصلحت کے ساتھ اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے اسی کی برکت تھی کہ آپ کی جانب عوام و خواص کے سبھی طبقات کا رجوع پایا جاتا تھا اور وہ آپ کی پرتاثیر صحبت ونظرِ کیمیا اثر سے خوب خوب فیضیاب ہوا کرتے تھے، بلکہ اس حوالے سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ اس وقت دوآبے کے سب سے بافیض اور سب سے مقبول ومحبوب پیرِ طریقت تھے تو مبالغہ نہ ہوگا کیوں کہ جو ہر دل عزیزی اور مرجعیت اس آخری دور میں آپ کو حاصل ہوئی وہ شاید ہی اب کسی کو نصیب ہوا اور اس سلسلے میں جو مقامِ بلند آپ کو ملا اس تک شاید ہی کسی کی رسائی ہو سکے۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

طبابت وحکمت:

آپ کی حیاتِ مستعار کا دوسرا اہم پہلو طبابت وحکمت کا مشغلہ اور اس راہ سے خدمتِ خلق کا کام تھا، بلکہ عوامی حلقے میں آپ کا تعارف پیرِ طریقت اور عالم ذی وقار کی حیثیت سے زیادہ ایک نباض حکیم اور طبیبِ حاذق کے طور پر ہی پایا جاتا تھا اور آپ اپنے اس خاص وصف کے حوالے سے ہی ان کے درمیان دور دور تک جانے پہچانے جاتے تھے، دراصل آپ ایک خاندانی حکیم تھے اور للّٰہیت وروحانیت کی طرح طبابت وحکمت کا پیشہ بھی آبائی طور پر ہی آپ کی طرف منتقل ہو کر آیا تھا، چنانچہ آپ کے بزرگوں میں حضرت مولانا حکیم سید فیض الحسن کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر ومرشد امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے مشورہ سے دار الشفاء کاظمی کے نام سے ایک مطب سنسار پور میں قائم کیا اور مدۃ العمر اس میں ایک طبیب کی حیثیت سے سرگرمِ عمل رہے، آپ کے بعد آپ کے برادرِ خورد (حضرتِ والا سنسارپوری کے جد

امجد) حضرت حافظ ڈاکٹر سید حسن (ایم بی بی ایس) نے اس روایت کو اپنی فنی مہارت کے ذریعے آگے بڑھایا جبکہ آپ کی رحلت کے بعد اس مطب کی مسند نشینی آپ کے صاحب فضل وکمال صاحبزادے (حضرتِ والا کے والدِ گرامی قدر) حضرت مولانا حکیم سید محمد اسحق نوراللہ مرقدہ کے حصے میں آئی جنہوں نے اپنی خداداد طبی صلاحیتوں اور بے پناہ فنی مہارتوں کے ذریعے اس کی شہرت ومقبولیت کو بامِ عروج پر پہنچا دیا اور آخر میں جب اس کی زمامِ کار حضرت والا کے ہاتھ میں آئی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی فن طب کے حوالے سے اپنے بڑوں کی خوبیاں وکمالات ان کے طبی تجربات ورجحانات ان کی فنی مہارت وحذاقت اور ان کی شہرت ونیک نامی بھی کامل درجے میں منتقل ہوکر آپ کی ذات کی طرف آ گئی، اس کے علاوہ آپنے اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں رہ کر تقریباً 6 سال طبابت وحکمت کی مشق بھی بہم پہنچائی اور اس کو برتنے کا سلیقہ وہنر بھی حاصل کیا جن میں ابتدائی چند سال ایسے گذرے کہ جن میں آپ نے فنِ طب کی اہم کتابیں باقاعدہ سبقاً سبقاً پڑھیں اور امتحان کی تیاری کرکے پنجاب یونیورسٹی سے فاضلِ طب کا امتحان پاس کیا اور اس طرح طبابت کی باقاعدہ سند سے بھی سرفراز کیے گئے، یہی وجہ ہے کہ والدِ ماجد کے وصال کے بعد جب مطب کی تمامتر ذمہ داری آپ سے متعلق ہوئی تو آپ کی حسنِ کارکردگی اور فن کارانہ مہارت وحذاقت کے باعث اس کی سابقہ نیک نامی وشہرت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مطب مزمن ولاعلاج بیماریوں سے شفایابی کے حوالے سے علاقے کے بڑے مطبوں میں شمار کیا جانے لگا، آپ اس مطب سے کم وبیش پچاس برس تک خلقِ خدا کو جسمانی وروحانی نفع پہنچانے میں مشغول رہے اور اپنی حذاقت کے باعث اس حوالے سے مرجع خلائق بنے رہے، آپ کے علاج کا طریقہ نہایت زود اثر ہوا کرتا تھا، خاص طور پر مرض کی تشخیص بہت ہی عمدہ اور صحیح ہوتی تھی عام طور پر مریض کی محض نبض دیکھتے ہی مرض کا ادراک کرلیا کرتے اور اپنے تیر بہدف قسم کے خاندانی نسخوں میں سے کوئی نسخہ لکھ کر صحت یابی کی بنیاد رکھ دیا کرتے تھے۔ غرضیکہ طبی لحاظ سے بھی آپ کا فیض خوب خوب عام ہوا، چناں چہ بے شمار بندگانِ خدا کو آپ کے مطب سے صحت وتندرستی کی دولت نصیب ہوئی اور بہت سوں کو ایسے امراض سے چھٹکارا ملا کہ جن کے ابتلاء سے ان کی زندگیاں اجیرن ہوکر رہ گئی تھیں، مطب میں آپ کے پاس آنے والے مریضوں میں مسلم وغیر مسلم دونوں ہی طبقات کے لوگ ہوا کرتے تھے نیز ایک بڑی تعداد غیر متمدن اور ناخواندہ افراد کی بھی ہوا کرتی تھی مگر آپ اپنی فطری سنجیدگی ورواداری اور تحمل وخوش خلقی کے برتاؤ سے سب کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے کہ انہیں استفادہ میں سہولت ہوتی اور وہ آپ کی ذات میں اپنے لیے انس کی کیفیت محسوس کیا کرتے تھے اور زبانِ حال سے گویا یوں کہتے ہوئے سنائی دیتے تھے کہ ع

خوش طبی بے ست بیا تاہمہ بیمار شویم

اہتمام وانتظام:

آپ کی مبارک زندگی کی تیسری نمایاں جہت مدرسہ کے انتظام وانصرام کی نگہ داری اور دینی تعلیم کی ترویج واشاعت کی ذمہ داری رہی ہے، چنانچہ آپ مدرسہ فیضِ رحمانی سنسار پور کے مہتمم اور اس کے تعلیمی تربیتی اور تبلیغی کاموں کے منتظم ومنصرم بھی ہوا کرتے تھے، یہ مدرسہ آپ کے بزرگِ خاندان حضرت مولانا حکیم سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے ایماء پر (۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۳ء) میں اس وقت قائم کیا تھا کہ جب آپ حضرت والا

کے حکم پر اپنے آبائی وطن پر قاضی ضلع مظفر نگر کی سکونت ترک کر کے مع اہل وعیال سنسار پور آ کر مقیم ہوئے تھے اور اس قصبے سے رشد وہدایت کی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا، بانیٔ مدرسہ کے وصال کے بعد آپ کے دادا بزرگوار اور والدِ محترم یکے بعد دیگرے اس مدرسے کے مہتمم ہوئے پھر آخر میں خاندانی روایت کے مطابق اس کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری آپ کے حصے میں آئی جسے آپ تاعمر انتہائی فرض شناسی کے ساتھ ادا کرتے رہے، مطب اور خانقاہ کے مشاغل کے باعث آپ اگرچہ عدیم الفرصت واقع ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود مدرسے کے نظام وانتظام پر بھرپور توجہ صرف کرتے اور نہایت خلوص ولگن کے ساتھ مدرسے کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں رہا کرتے تھے چنانچہ آپ کے حسنِ انتظام اور اخلاص وللّٰہیت ہی کی یہ برکت تھی کہ آپ کے دور میں مدرسہ نے تعلیمی تربیتی اور تبلیغی ہر لحاظ سے ترقی کی، تعلیمی معیار بلند ہوا، طلبہ کی تعداد پہلے کی بنسبت کئی گنا بڑھ گئی اور مدرسے کے دائرہ میں بھی جغرافیائی اور مکانی اعتبار سے کافی وسعت پیدا ہوگئی یعنی مدرسہ قدیم وجدید دو حصوں پر مشتمل ہوگیا اور اس کے تحت فیضِ رحمانی پبلک اسکول کے نام سے (آٹھویں کلاس تک) ایک اسکول کا قیام بھی عمل میں آ گیا، اس کے علاوہ آپ کے زمانے میں مدرسے کی تبلیغی ورفاہی سرگرمیوں میں بھی گراں قدر پیش رفت ہوئی اور ان میدانوں میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام پائیں، مختصر یہ کہ آپ کے دورِ اہتمام میں مدرسہ خوب پھلا پھولا اور نئے نئے برگ وبار سے آشنا ہوکر اپنے علاقے کے ایک معتبر مدرسے کا روپ اختیار کر گیا جہاں سے بے شمار تشنگانِ علوم نبوت کسبِ فیض کر کے نکلے اور انہوں نے مختلف علاقوں میں علمی ودینی خدمات انجام دیں اور آج تک اس مبارک سلسلے کو جاری رکھ کر اپنی مادرِ علمی کا نام روشن کر رہے ہیں۔

دیگر اہم سرگرمیاں:

عملی زندگی کی ان نمایاں جہات کے علاوہ مدارسِ اسلامیہ ومکاتبِ دینیہ کی سرپرستی، معاشرہ میں پائی جانے والی رسومات وخرافات کی اصلاح وروک تھام اور سماج کے کمزور وپسماندہ طبقات کے درمیان رفاہی وخیراتی کام کاج بھی آپ کی لائق تقلید شخصیت کا اہم اور قابلِ ذکر حصہ رہے ہیں، آپ کی مذکورہ بالا سرگرمیوں اور خدمات کے معاشرے وسماج پر پڑنے والے مفید اثرات اس قدر اہم اور نمایاں ہیں کہ ہر شخص کھلی آنکھوں ان کا مشاہدہ کر سکتا ہے، آپ نے جس انداز کی احسانی، عوامی اور سماجی زندگی بسر کی ہے اسے دیکھ کر اسلاف کی قابلِ رشک زندگیوں کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی اور اندازہ ہوتا تھا کہ شریعت وطریقت کی جامعیت والی زندگی کیسی ہوتی ہے اور یہ کہ خلقِ خدا کے درمیان رہ کر بے ہمہ وباہمہ زندگی کیوں کر بسر کی جاتی ہے، اسی طرح آپ نے عبادت وریاضت، تقویٰ وپرہیزگاری، حسنِ اخلاق وغم خواری، خدمتِ خلق وفیض رسانی اور جہدِ مسلسل وعملِ پیہم کے جو نقوش جریدۂ عالم پر ثبت کیے ہیں وہ جہاں ایک طرف ہر فردِ بشر کے لیے لائق تقلید اور قابلِ عمل ہیں وہیں دوسری طرف اس پایہ کے ہیں کہ کارگہہ حیات میں ان سے دیر تک رہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ اس قدر دیرپا ہیں کہ تا دیر انھیں فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جرید عالم دوامِ

کچھ یادیں کچھ باتیں:

حضرتِ والا کا نام نامی تو بہت پہلے سے کانوں میں پڑا ہوا تھا لیکن زیارت کا اولین شرف سن ۱۹۹۹ میں جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں حاصل ہوا، جہاں اس زمانے میں راقم درجۂ

فارسی کا طالب علم تھا اور آپ وہاں ختمِ بخاری کی مناسبت سے منعقد ہونے والے جلسے میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے، یاد پڑتا ہے کہ صبح چاشت کے وقت ایک سفید ایمبیسڈر کار مدرسے کے صحن میں آکر رکی تھی اور اس میں سے ایک سفید پوش، نورانی صورت اور درمیانہ قد کے نہایت ہی وجیہ و نستعلیق بزرگ نمودار ہوئے تھے جن کی زیارت واستقبال کے لیے ذمہ دارانِ مدرسہ اور حاضرین بچھے جاتے تھے، طبیعت نے نووارد کے دیدار سے ایک قسم کا حظ محسوس کیا تھا اور دل کیف و سرور کی کیفیت سے سرشار ہوگیا تھا، بعض حاضرین سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ یہ سنسار پور والے حضرت ہیں اور ختم بخاری کے پروگرام میں شریک ہونے کے لیے تشریف لائے ہیں، اس ابتدائی دید کے بعد قریب کے سالوں میں چند ایک مرتبہ اور آپ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی مگر اس میں باقاعدگی کا رنگ ۲۰۰۳ میں اس وقت پیدا ہوا جب مجھے ایک بیماری کے علاج کے سلسلے میں سنسار پور آپ کے مطب میں جانے کی ضرورت پیش آئی اور دیوبند سے تاجپورہ اپنے ننھیال میں آمد کے موقع پر میں نے وہاں حاضری کا ارادہ کیا، اس موقع پر نانا جان حضرت مولانا محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ نے از راہِ شفقت ومحبت ایک رقعہ حضرتِ والا کے نام میری بیماری کے تعلق سے لکھ کر مرحمت فرمایا؛ چناں چہ احقر مخدومِ گرامی قدر حضرت مولانا جرار احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ اس مناسبت سے پہلے پہل سنسار پور حاضر ہوا، اس وقت مریضوں کا بھاری ہجوم آپ کے مطب میں موجود تھا، ہم نے نانا جان کا لکھا ہوا پرچہ ایک ملازم کی وساطت سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جسے آپ نے پڑھتے ہی ہمیں باریابی کا شرف بخش دیا، رسمی خیر خیریت معلوم کی، نبض دیکھی، مرض کی تشخیص کی اور نسخہ لکھ دیا جسے ہم نے مطب ہی میں بنوا کر حاصل کیا اور بہت مختصر سے وقت میں فارغ ہوکر آپ کی شخصیت اور اخلاق کا اثر دل پر لیے ہوئے تاجپورہ واپس ہوگئے، علاج شروع ہوجانے کے بعد چھ مہینے کے عرصے میں کئی دفعہ آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور ہر مرتبہ آپ کی عنایت ومہربانی سے سرفراز ہونے کا موقع ملا جس کی بناء پر آپ کی ذات سے متعلق قائم اولین تاثر مزید گہرا ہوتا گیا اور طبیعت رفتہ رفتہ آپ کی شخصیت کی طرف راغب ومائل ہوتی چلی گئی، علاج ختم ہوجانے اور مکمل طور پر صحت یاب ہوجانے کے بعد جلدی جلدی حاضری کا سلسلہ تو موقوف ہوگیا لیکن زیارت وحصولِ دعا کی غرض سے سال چھ مہینے میں سنسار پور کا ایک آدھ پھیرا پھر بھی ہوجایا کرتا تھا، اس قسم کی حاضری سے میرے بے چین ومضطرب دل کو حد درجہ اطمینان وسکون نصیب ہوتا اور طبیعت میں نیکی وخیر کے جذبات بے دار ہوجایا کرتے تھے، لیکن ایک لمبے عرصے تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنے اور اس حاضری کے فوائد بچشم خود دیکھتے رہنے کے باوجود دل میں کبھی آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کا خیال تک نہیں آیا بلکہ اپنی افتادِ طبع اور اس سے بھی بڑھ کر بے توفیقی کے باعث اس اہم اور ضروری امر کی طرف سے ہمیشہ غفلت ہی ہوتی رہی، یہاں تک کہ قدرت نے خود ہی اس کے اسباب پیدا کردیے، چناں چہ آج سے تقریباً چھ سال قبل جب ایک موقع پر آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حسنِ اتفاق کہ اس وقت بعض عقیدت مند آپ سے بیعت ہونے کے ارادے سے حاضرِ خدمت تھے، یہ روحانی ماحول دیکھ کر میرے دل میں بھی شدت کے ساتھ یہ خیال ابھرا کہ مجھے بھی بیعت ہوجانا چاہیے، پھر فوراً ہی اس موقع کو غنیمت جان کر میں بھی اس مبارک رسم میں شریک ہوگیا اور اس طرح عرصۂ دراز

سے چلی آ رہی عقیدت ومحبت کی کیفیت کوآپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوکر مزید استحکام وپختگی سے ہم کنار کرلیا،اصلاحی تعلق قائم ہوجانے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کا معمول کسی قدر بڑھ گیا اور اب سال کے مختلف حصوں میں 5/7 مرتبہ حاضری ہونے لگی،عموماً جب کبھی بھی دہلی سے ریڑھی تاجپورہ آنا ہوتا تو کسی ایک دن عصر کی نماز سنسار پور آپ کی مسجد میں ادا کر کے شرفِ نیاز حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا،ایسے ہی کسی موقع پر کبھی آپ دریافت بھی کر لیتے کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو؟اور میرے جواب عرض کرنے پر خوشی کا اظہار فرماتے اور دعاؤں سے نواز دیا کرتے تھے،آپ کی شخصیت میں روحانیت کے ساتھ ساتھ بلا کی دل نوازی اور دل کشی پائی جاتی تھی جو نو وارد کو اول وہلہ میں ہی اپنے حصار میں لے لیتی اور اس کے دل کو تاثر کی کیفیت سے دوچار کردیتی تھی اس کا کھلے بندوں مشاہدہ مجھے خاص طور پر اس وقت ہوا جب ایک شامی عالم شیخ محمد مؤفق لطفی مقیم قطر ہندوستان تشریف لائے اور مغربی یوپی کے چند اہم مقامات کی زیارت کرتے ہوئے سنسار پور پہنچے تو وہ آپ کی زیارت اور صحبت سے کچھ دیر مستفید ہوکر اس درجہ متاثر ہوئے کہ دیر تک آپ کی شخصیت وروحانیت سے اپنے تاثر کا اظہار نہایت بلند کلمات کے ساتھ کرتے اور دہلی واپسی تک گاہے گاہے اس پرتاثیر صحبت کا تذکرہ کرتے رہے، بسااوقات حصولِ برکت اور دعائیں لینے کی خاطر اپنے اہلِ خانہ کو ساتھ لے کر بھی خدمتِ اقدس میں حاضری ہوئی اور آپ کی زیارت کرنے اور دعائیں لینے کا شرف حاصل ہوا ہے،ایسی ہی ایک حاضری ابھی کچھ عرصے پہلے ماہِ شوال کے ابتدائی عشرہ میں بھی ہوئی تھی جس کا مقصد محض آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا اور اہلیہ وبچوں کے سر پر آپ کا برکتی ہاتھ رکھوا کر ان کے حق میں دعا کی درخواست کرنا تھا،جس وقت ہم سنسار پور پہنچے،وہ سہ پہر 4 بجے کا وقت تھا،ہم نے خادم سے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے ایک مخصوص جگہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سے زیارت کر لیجیے ہم نے عرض کیا کہ ہم ریڑھی تاجپورہ سے آئے ہیں،مولانا محمد اصغر اور مولانا محمد اختر رحمھما اللہ سے قرابت کی نسبت رکھتے ہیں اور قریب جا کر حضرتِ والا کی زیارت کرنے کے متمنی ہیں،ہماری جانب سے اس وضاحت کے بعد ہمیں خدمتِ اقدس میں باریابی کی اجازت مل گئی،آپ نے سب سے پہلے خادم کی وساطت سے ریڑھی تاجپورہ سے تعلق کی نوعیت معلوم کی،تبرک کے طور پر کھجور مرحمت فرمائی،بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعاؤں سے نوازا اور ہماری توقع سے زیادہ لطف کرم اور توجہ وعنایت سے ہمیں نواز کر رخصت کیا، واضح طور پر محسوس ہوا کہ آج کی ملاقات سابقہ تمام ملاقاتوں سے بڑھ کر پر لطف،فرحت بخش اور نفع بخش رہی،آپ کی خدمت میں میری حاضری عام طور پر مختصر وقت کے لیے ہوا کرتی تھی جس کی بناء پر تشنگی کا احساس باقی رہتا تھا،اس لیے آخری ملاقات کے بعد اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ آئندہ جب کبھی آنا ہوگا تو کچھ وقت لے کر حاضر ہوں گے اور خانقاہ میں کچھ وقت قیام کرکے روحانی وعرفانی ماحول سے استفادے کی کوشش کریں گے لیکن افسوس صد افسوس کہ اس خواہش کے پورا ہونے کی نوبت نہیں آسکی اور یہ آرزو تشنۂ تکمیل ہی رہ گئی،(مؤرخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ) بروز جمعہ تقریباً ڈیڑھ بجے راقم جمعہ کی نماز کے لیے مسجد جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک نظر واٹس ایپ میں موجود ایک خبر پر پڑی جس میں لکھا ہوا تھا:ابھی ابھی جمعہ سے پہلے تقریباً ساڑھے بارہ بجے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ حضرت اقدس مولانا حکیم سید مکرم حسین

سنسار پوری انتقال فرما گئے: خبر پڑھ کر طبیعت کو ایک دھچکہ لگا اور زبان پر کلماتِ ترجیع جاری ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، اس کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی فکر لاحق ہوئی کہ کسی طرح اس کا بندوبست ہو جاتا تو بہتر رہتا، چناں چہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد راستوں کے احوال معلوم کر کے سفر طے کر لیا گیا اور مناسب وقت پر دہلی سے روانگی ہو گئی، لیکن کانوڑ یاترا کی بناء پر راستوں میں پائی جانے والی بندشوں اور رکاوٹوں کے باعث سخت دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، بمشکل تمام سہارنپور پہنچا جا سکا اور سنسار پور پہنچتے پہنچتے تو مغرب ہی ہو گئی، امید تھی کہ نمازِ جنازہ میں کسی قدر تاخیر ضرور ہو گی اور اس طرح ہمیں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، چناں چہ ابھی ہم عیدگاہ سنسار پور (جہاں نمازِ جنازہ ادا کی جانے والی تھی) کی جانب جانے والے راستے پر چل ہی رہے تھے کہ اس طرف سے عوام کا ایک ریلہ آتا ہوا دکھائی دیا جس کے ذریعے معلوم ہوا کہ نماز ہو چکی ہے اور ہم شرکت سے محروم رہ گئے ہیں، بے حد افسوس ہوا کہ محض دس منٹ کے فرق سے ایک عظیم سعادت ہاتھ سے جاتی رہی اور دائمی محرومی مقدر بن کر رہ گئی اور دل میں یہ خیال نہایت شدت کے ساتھ حسرت بن کر ابھرا کہ کاش راستے کی دشواریاں پیش نہ آئی ہوتیں تو ہم بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہو جاتے، بعد میں معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری مدظلہ العالی نے پڑھائی اور اس میں کسی قدر عجلت سے کام لیا گیا یعنی فرض نماز کے فوراً بعد ہی نمازِ جنازہ ادا کر لی گئی، بستی کی دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے والے حضرات تک کی شرکت کی فکر نہیں کی گئی، خیر مرضی مولیٰ از ہمہ اَولیٰ، ہمارے حق میں خیر غالباً اسی میں رہی ہوگی، رب کریم کی کرم والی ذات سے قوی امید ہے کہ اس نے اس دوڑ دھوپ اور کوشش پر اجر سے ضرور نوازا ہوگا اور اس موقع کی برکتوں اور فضیلتوں سے بھی ضرور سرفراز کیا ہوگا، البتہ آپ کی قبر پر حاضر ہو کر مٹی دینے اور فاتحہ خوانی کا موقع نہایت سہولت واطمینان کے ساتھ میسر آیا، اس جگہ کافی دل بستگی اور قلبی سکون محسوس ہوتا تھا اور جی وہاں سے ہٹنے کو نہ چاہتا تھا، چنانچہ میں کافی دیر تک تصورات میں گم قبر کے پاس کھڑا رہا اور زبانِ حال سے گویا یہ شعر دہراتا رہا:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حرف آخر:

حضرت اقدس مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسار پوری نوراللہ مرقدہ تصوف وسلوک کے کوچہ کی شہ نشینی اور روحانیت وللّٰہیت کی فیض رسانی کے حوالے سے ایک عہد ساز وعبقری شخصیت کا نام تھا کہ جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک اپنے سوزِ دروں اور سازِ جگر سے بے شمار بندگانِ خدا کو فیضیاب کرتی رہی، نیز اپنی پر تاثیر وزود اثر صحبت سے دین سے برگشتہ و بے گانہ لا تعداد افراد کو اتباعِ شریعت وپیرویٔ سنت کے ذوق سے آشنا کرتی رہی بلکہ ان میں اس حوالے سے ایک ایسی جوت جگا گئی کہ جو تا عمر انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے اور راہِ حق کا راہی بن کر گذارنے کے لیے آمادہ کرتی رہے گی، اس دورِ قحط الرجال میں کہ جب اس قسم کی شخصیتوں کا وجود بسا غنیمت سمجھا جا رہا ہے اور متلاشیانِ حق وگم کردہ راہ قسم کے لوگ ان کی طرف رجوع کر کے اپنی اصلاح و سدھار کے لیے فکر مند نظر آ رہے ہیں،...... **بقیہ صفحہ نمبر ۵۱ پر**

گوشۂ مکرم

میرے پیرو مرشد

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنساپوریؒ کی رحلت

مفتی خورشید احمد مظاہری مہتمم وبانی مرکز التعلیم والتربیۃ الاسلامیۃ کھجناور

۲۲ ر ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۲ ر جولائی ۲۰۲۲ء کو جیسے ہی احقر نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر گھر پہنچا، دوستوں کے میسیج آنے شروع ہو گئے کہ حضرت اقدس مولانا سید مکرم حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ اس فانی دنیا کو خیرآباد کہ کر اپنی مالکِ حقیقی سے جا ملے، خبر کے ملتے ہی احقر ہواس باختہ ہوگیا اور ایسا لگا کہ میری دنیا ہی اجڑ گئی، قلب میں اضطرار اور غم کی کیفیت پیدا ہوگئی، جلدی سے سنسار پور حاضر ہوا، اس وقت میرے پیرو مرشد کو غسل دیا جا رہا تھا، لوگ آنے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہوگیا، سنسار پور کی گلیوں میں نہ چلنے کی جگہ رہی، تمام مساجد و مدرسہ وراستے آنے والے مہمانوں سے بھر گئے، سنسار پور کی بڑی عیدگاہ اپنی گنجائش اور وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی، اسلئے عام وخاص کا انتظار کئے بغیر نمازِ جنازہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد ادا فرما لی گئی، جس کی وجہ سے وہ نمازی جنھوں نے مغرب کی نماز دوسری مساجد میں ادا فرمائی، نماز جنازہ کی سعادت حاصل نہ کر سکے، نمازِ جنازہ استاذِ محترم شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور جناب مولانا سید عاقل صاحب نے پڑھائی، اس کے بعد آپ کو آخری آرام گاہ لے جایا گیا، جہاں پر آپ ہمیشہ رحمتِ الٰہی کے دامن میں آرام فرما ہو گئے، میں

حضرت کی زندگی کا کونسا پہلو بیان کروں، حضرت کی زندگی تو ایک مکمل چمن کی سی تھی، جس کا ہر ایک پھول گلشن کو مہکانے کے لئے لازمیت کا درجہ رکھتا ہے، آپ شریف النفس، وسیع الاخلاق شخص تھے، ضعف کے باوجود آپ آنے والے زائرین کا خیال فرماتے، آپ لیٹے ہوتے تو بشفقت بیٹھ جاتے، احوال معلوم کرتے اور دعاؤں سے نوازتے، اور تواضع انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ مہمانوں سے فرماتے کہ میرے لئے دعا کرنا، احقر ۲۰۰۰ء میں مظاہر علوم میں دورہ حدیث کا طالبِ علم تھا، مجھ کو ارشاد فرماتے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ سے میرے لئے دعا کرانا، پھر خود ہی فرماتے کیا دعا کراؤ گے میں خاموش رہتا تو ارشاد فرماتے کہ میرے لئے ایمان پر خاتمے کی دعا کرانا، آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے، روزانہ صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا معمول تھا، ایسے ہی آپ نوراللہ مرقدہ کا تہجد پڑھنے کا مستقل معمول رہا ہے، احقر سے حضرت نے کئی مرتبہ فرمایا کہ میں تین بجے صبح ہمیشہ تکیہ چھوڑ دیتا ہوں، احقر کا تعلق حضرت سے طالبِ علمی کے زمانہ سے ہی رہا ہے، میں نے حفظ قرآن کریم مکمل مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور میں کیا ہے، طالب علمی کے زمانے میں حضرت سے قلبی تعلق ہو گیا تھا، مسلسل جمعرات کو ۱۰ ر سال تک حضرت کی

خدمت کی، خدمت میں حاضر ہوتا اور جمعہ کی شام تک حضرت کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا اور شام کو مدرسہ حاضر ہو جاتا۔

حضرت کی شریعت پر پابندی کا یہ عالم تھا کہ میرا حضرت سے ۳۰؍سال تک تعلق رہا ہے، اس قدر طویل مدت میں کوئی بات خلاف شرع نہ دیکھی، جس طرح حضرت والا نور اللہ مرقدہ جسمانی امراض کے ماہر طبیب تھے، اسی طرح آپ مریضانِ نفوس کے طبیب حاذق تھے، آپ جسمانی امراض کے ساتھ ساتھ خواص وعوام کا روحانی علاج بھی فرماتے، جس طرح جسمانی امراض کیلئے صحیح تشخیص فرما کر دوائی تجویز فرماتے، اسی طرح آپ امراض روحانی کیلئے ان کے مرض کے مطابق ذکر الٰہی، تلاوتِ قرآنِ کریم اور شریعت کی پابندی کا حکم فرماتے، آپ ہمیشہ حکم الٰہی پر چلنے اور رسول اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کی ترغیب وتلقین فرماتے، احقر نے مدرسہ کے لئے زمین خریدی سنگِ بنیاد کیلئے شیخ ومرشد تشریف لائے، آپ ضعف کی وجہ سے گاڑی میں ہی تشریف فرما رہے، سنگِ بنیاد کیلئے اینٹ پر دم فرمایا، حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے اس موقع پر جو دعائیں فرمائیں، ان میں سے بعض احقر کے دل ودماغ میں آج تک نقش ہیں، حضرت والا کی دعاؤں کی وجہ سے میں یہ بات سمجھ گیا کہ یہ دعائیں صرف آج ہی کیلئے کار آمد نہیں ہے بلکہ آئندہ درپیش حالات کیلئے بھی یہ دعائیں کام آنے والی ہیں، حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے کچھ اس طرح دعا فرمائی کہ اللہ تعالی آپ کی حفاظت فرمائیں، شریروں کی شرارت سے، بغض رکھنے والوں کے بغض سے، حاسدین کے حسد سے، ساحرین کے سحر سے، دشمنوں کی دشمنی سے، اور شیطان رجیم کے مکر وفریب سے، اللہ تعالی مدرسہ کو ترقیات سے نوازے اور تمام ضروریات کو اپنے خزانۂ غیب سے مکمل فرمائے وغیرہ۔

اہل بستی میں آپ انتہائی محبوب اور مقبول تھے، اہل بستی میں جس طرح سے آپ کے انتقال پرملال پر آنے والے مہمانوں کا استقبال وانتظام کیا وہ قابل رشک اور حضرت شیخ ومرشد سے محبت کی دلیل ہے، راستوں میں ٹریفک کا انتظام، پانی پلانے کا انتظام، کھانے کا بہترین نظم، اللہ تعالی اہل بستی کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں۔

حضرت کے ساتھ کسی اجلاس یا دعائیہ مجالس میں جانے کا شرف حاصل ہوتا، شیخ مرشد اکثر علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا یہ شعر سناتے: ؎

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائیں، اور اہل خانہ وتمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

آخر میں نوجوان عالم دین نبیرہ وقرۃ العین حضرت اقدس مولانا مکرم حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ جناب مفتی عزیر صاحب سے امید ودرخواست کرتے ہیں کہ حضرت کے چاہنے والوں کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کا کام جاری رکھیں گے اور حضرت کے مشن کو آگے بڑھائیں گے، اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اقوال زرین حضرت علیؓ

جس نے کسی کو اکیلے میں نصیحت کی اس نے اسے سنوار دیا اور جس نے کسی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اسے مزید بگاڑ دیا۔

گوشۂ مکرم

آپکا وجود مسعود باعث خیر و برکت تھا

مولانا محمد یعقوب ندوی ناظم جامعہ خیر النساء للبنات پپلی مزرعہ یمنا نگر ہریانہ

آج ۲۲/ذی الحجہ بروز جمعہ ۱۴۴۳ھ کو یہ خطہ ایک ایسی عظیم ہستی (عارف باللہ ولی کامل حضرت مولانا سید محمد مکرم حسین صاحب سنسارپوریؒ جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے آخری خلیفہ تھے) سے یتیم ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، یقیناً آپ کا وجود مسعود باعث خیر و برکت تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ علاقہ مغربی یوپی اور ہریانہ ہماچل پنجاب کے ہی نہیں پورے ارض ہند کے نایاب ہیرا تھے، مسلم وغیر مسلم آپ سے والہانہ و بے لوث محبت کرتے تھے، ہماری بستی پپلی مزرعہ میں آپ کا نزول ہوتا تو لوگ اپنا کام چھوڑ کر دیوانہ وار ٹوٹ پڑتے کہ میرا مصافحہ ہوجائے، مجھے پوری توجہ حاصل ہوجائے۔

میں نے جیسے ہی ہوش سنبھالا حضرت والا کا نام سننے لگا کیونکہ والد صاحبؒ (حضرت الحاج قاری منشی محمد سلیمان) حضرت والا کے پیر بھائی تھے، مگر وہ حضرت کا ادب واحترام ایسے کرتے تھے، جیسے اپنے پیرو مرشد اور استاذ کا کیا جاتا ہے، آپ کی دعوت بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ والد صاحب کو اولیاء اللہ کی صحبتوں کا چسکا لگا ہوا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد سب سے زیادہ تعلق آپ سے ہی رکھا، والد صاحب آپ کی زیارت و ملاقات (صحبت صالح) کا بہت شوق رکھتے تھے، کوئی ہفتہ ایسا جاتا ہوگا جس ہفتے سنسارپور نہ جاتے ہوں، اور ایسا بہت کم ہوا ہے، کہ خالی ہاتھ حضرت کی مجلس میں چلے گئے ہوں، والد صاحب آپ کے مزاج ومذاق سے خوب واقف تھے، آپ مچھلی زیادہ پسند کرتے تھے اس لئے زیادہ تر مچھلی ہی پکوا کر (اتنی پکاتے کہ ساری رات پکتی رہتی یہاں تک کہ کانٹا گل جاتا) لے جاتے تھے، جیسا حضرت کا ذوق دیکھتے ویسا ہی کھانا پیش کر دیتے، خوشی خوشی قبول فرماتے۔

والد صاحبؒ کے انتقال پر حضرتؒ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، پھر تعزیتی کلمات فرمائے، اس موقع پر فرمایا کہ مجھے (حضرت منشی جیؒ) سے اس لئے بھی محبت تھی کہ ان کی شکل وشباہت میرے والد صاحبؒ کی شکل سے ملتی جلتی تھی، جس ہفتے یہ حاضر نہ ہوتے تو مجھے بیقراری کی کیفیت ہوجاتی تھی، پھر حکیم مقصود احمد کے ذریعہ خبر بھیج کر بلواتا تو ملاقات سے عجیب اپنائیت وٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔

یہ واقعہ حضرتؒ نے اسی موقع پر سنایا تھا کہ تمہارے والد اکثر میرے پاس آتے تھے سردیوں کا زمانہ تھا میں مطب میں بیٹھا ہوا تھا، روحانی وجسمانی مریضوں کی بھیڑ میں وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، مجھے اور ان کو اس وقت پان کھانے کی عادت تھی، پیک دان (اگالدان) کی ضرورت پڑی، سب نے تلاش کیا مگر نہ مل سکا، پھر اچانک ضرورت پڑی تو وہ صاف ستھرا میرے ڈیسک کے پاس رکھا ہوا تھا، مجھے تعجب ہوا کہ یہ

تو بہت گندا تھا، یہ یہاں کس نے مانجھ کر رکھ دیا تو تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ خدمت تمہارے والد صاحب نے کی ہے، میں نے کہا کہ آپ نے کیوں اتنی تکلیف اٹھائی ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے۔ واقعی انہیں مجھ سے بے غرض و بے لوث اور للہ فی اللہ محبت تھی۔

والد صاحبؒ مجھے سخت تاکید کے ساتھ کہتے تھے کہ بزرگوں کی صحبت کو لازم پکڑو۔ اس وجہ سے بھی سنسار پور خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا، زیارت وملاقات سے تسکین پاتا، نصیحتیں حاصل کرتا۔ دوران تعلیم چھٹیوں میں گھر آتا تو سنسار پور کی حاضری ضروری تھی، جب حاضر خدمت ہوتا تو حضرت والا کتابوں کے اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے متعلق پوچھنے لگتے تھے تو میں صحیح جواب نہ دینے کے ڈر سے اپنی بیماری (قبض) کی شکایت آگے رکھ دیتا کہ حضرت بھوک نہیں لگتی، کھانا ہضم نہیں ہوتا، ذہن تیز نہیں ہے، سبق یاد نہیں رہتا، اس وقت حضرت والا پھر وہی بات دہراتے کہ حضرت کی مجلس کس وقت لگتی ہے، تم مجلس میں کب بیٹھتے ہو، کتنے اساتذہ اور طلبہ ہوتے ہیں، یہ سب باتیں پوچھنے کے بعد کہا کہ ہاں اب بتلاؤ پیٹ کی کیا شکایت ہے میں نے کہا کہ قبض کی شکایت رہتی ہے، آپ نے فرمایا کہ اس مرض کی دوائیں نہ کھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ آپ نے زور دے کر فرمایا سب سے بہترین نسخہ یہ ہے کہ شام کا کھانا جلدی کھاؤ، اور چہل قدمی ضرور کرو۔ دوپہر کا کھانا کھاتے ہی قیلولہ کرو۔ عصر بعد کھیلو کودو۔ فجر سے پہلے یا بعد میں کچھ دور دوڑ لگاؤ، ہاں کھانے کے بعد سونف ضرور چبایا کرو۔

آپ مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے کتنے ہی پریشان حال لوگوں کے بگڑے کام صرف آپ کی دعاؤں سے بنے، بلکہ آپ کی دعا و توجہات سے پورے کے پورے خاندان دیندار بن گئے، کوئی کتنا بھی پریشان حال آپکے پاس آتا حضرت کے یہاں سے مطمئن ہو کر اور عقیدت و محبت سے معمور ہو کر جاتا تھا۔

قاری محمد عالم (امام وخطیب کالا آم) نے ایک لطیفہ سنایا کہ ایک مقتدی حضرت مولانا سید محمد مکرم حسین صاحب سے بیعت ہونے گیا تو اس نے کہا کہ حضرت جی میں فلاں بزرگ سے بیعت تھا تو ان کا اچانک انتقال ہو گیا پھر قریبی بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کیا تو چند ہی دنوں بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا، پھر تیسری بزرگ کی تلاش ہوئی وہ بھی آسانی سے مل گئے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا کچھ ہی دن گذرے تھے کہ وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب آپ سے ادب واحترام کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بیعت فرمالیں، تو حضرت خوب ہنسے کہ اب مجھے مارنے کا ارادہ ہے کیا؟

قاری محمد انیس صاحب ایک واقعہ اکثر سناتے ہیں کہ میرا لڑکا بیمار ہوا بیماری یہ تھی کہ اس کی واپسی (الٹی، قئے) نہیں رکتی تھی اپنے علاقہ جمنا نگر کے تمام ہی ہسپتالوں میں دکھایا، یہاں تک کہ پی جی آئی چنڈیگڈھ بھی علاج کرایا مگر وہ تو لا علاج مرض بنتا گیا، میری پریشانی روز بروز بڑھتی جارہی تھی، اسی موقع پر میرے سسر محمد فاروق مظفری والوں کے مشورہ سے لڑکے کو حضرت مولانا سید محمد مکرم حسین صاحب سنسار پوری رحمۃ اللہ علیہ کو دکھایا گیا تو آپ نے بچے پر دم کیا اور پانی پر دم کر کے دیا، اور دعائیں دی، جب سے اللہ کے فضل وکرم سے اور حضرت کی دعا کی برکت سے واپسیاں رک گئیں تھیں، واقعی حضرت والا مستجاب الدعوات تھے اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔ آمین

گوشۂ مکرم

وفاة الشيخ مكرم حسين السنسار فورى رحمه الله

بقلم:الدكتور محمد اكرم الندوى، اوكسفورد

بسم الله الرحمن الرحيم

توفى اليوم (أى يوم الجمعة الثالث و العشرين من ذى الحجه سنة ثلاث واربعين واربعماة والف) شيخنا المجيز الوحيد الفريد الشيخ مكرم حسين السنسار فورى قرين شيخناالعلامة الامام ابى الحسن على الندوى فى الطريقة، ونزل الناس بموته فى التصوف درجة ، رحمه الله رحمة واسعة.

اخذ العلم و تخرج فى مظاهر علوم بسهارنفور، يروى عن والده وعن شيوخ مظاهر علوم القدامى، و هو آخر خلفاء العارف بالله الشيخ عبد القادر الرائيفورى فى الطريقة، ولعل أجل خلفاء الرائيفورى هو شيخنا ابوالحسن على الندوى رحمه الله تعالىٰ.

وكان الشيخ الراحل عالماً فقيهاً، ورعاً زاهدا، صالحا ومصلحا، يرجع اليه الناس فى قضايا هم الدينية والدنيوية، ومشاكلهم الفردية والجماعية،وكان منور الوجه، نقى الظاهر، صافى الباطن، حسن الحديث، و طيب الاسرار.

زرته صحبةاخينا فى الله العالم الشيخ محمد مسعود العزيزى فى قريته السنسارفور من اعمال سهارنفور يوم السبت ٢٣ ذولحجه سنة ١٤٤٠ھ ومعنا جماعة كبيرةمن تلاميذى و اصحابى من بريطانيا، على رائسهم الاخ زيد الاسلام شرفنا فى منزله، وفرح بناو تحدث الينا، واسدى الينا نصائح و توجيهات، واجازنا جميعا اجازة عامة، ثم سالته ان يجيزنا فى الطريقة فلم يرض بذالك، و ظننت ان ذلك بسبب كثرة من معى من الرجال والنساء، فخلوت به وسالته الاجازة، فتفضل بها مشروطة باتباع السنن، ولله الحمد،ومن خلفائه فى الطريقة صاحبنا الشيخ محمد مسعود العزيزى حفظه الله تعالى.

كان لمرحوم بركة زمانه، وصلاح بلاده،وركنا للدين ركينا، وبانى فخرلا يعتمد على الملك والمال، وهو من افضل من لقيته من الشيوخ، سقى الله ثراه و تغمده بواسع رحمته.

گوشۂ مکرم

تعزیتی خطوط

بروفات حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوریؒ

مولانا محمد عمران قاسمی، دیوبندی

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ابھی خبر ملی کہ سہارنپور کے عظیم بزرگ حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری اس دنیا سے رحلت فرما گئے، دل پر بڑا اثر پڑا، وہ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور اس وقت حضرت کے قائم مقام تھے، فنائیت اور انکار ذات کی خصوصیت ان کو حاصل تھی، ادھر عرصہ سے پیروں کی تکلیف کی وجہ سے ان کو معذوری ہوگئی تھی، لیکن ان کا فیض جاری تھا، دوردور سے لوگ آتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے، مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا اسحاقؒ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے کبار خلفاء میں سے تھے، ان کی وفات حضرت کی زندگی میں ہوگئی تھی، والد صاحب کے بعد مولانا حکیم مکرم حسین صاحب کو بھی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت بیعت وارشاد سے نوازا تھا، وہ بڑے حکیم بھی تھے، لیکن ان کی اصل صفت زہد واخلاص اور اصل کام تربیت وارشاد کا تھا، ان کی پوری زندگی انہی اوصاف کے ساتھ گذری۔

اس دور قحط الرجال میں ان کے جانے سے بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادگان اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، میں ان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کا سلسلۂ فیض ان کے صاحبزادگان کے ذریعہ جاری رکھے۔ آمین

۲۲؍جولائی ۲۰۲۲ء

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

محترم جناب ماسٹر حافظ مزین حسین صاحب ودیگر برادران:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ بروز جمعہ، جمعہ سے قبل یہ الم ناک خبر موصول ہوئی کہ آپ کے والد بزرگوار علم ومعرفت کے پیکر حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے رخصت ہوکر مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون' ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطیٰ و کل شیء عندہ بأجل مسمی ، یہ خبر ارباب دارالعلوم، اساتذہ وطلبہ کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دارالعلوم میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت مولاناؒ ایک عرصے سے علیل چل رہے تھے جس کی خبریں وقتاً فوقتاً ملتی رہتی تھیں، آپ مظاہر علوم سہارنپور کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے، اور ۱۳۷۱ھ میں فراغت حاصل کی۔

تصوف وسلوک میں آپ حضرت مولانا شاہ عبد القادر

رائے پوریؒ سے نسبت رکھتے تھے اور ان کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرتؒ کی زندگی میں جو وصف سب سے ممتاز تھا وہ اتباع سنت، احیاء سنت اور اشاعت سنت تھا، آپ ایک عمدہ نباض حکیم بھی تھے اور تقریباً چالیس سال تک آپ اپنے اس فن سے لوگوں کے جسمانی امراض کو ددور کرنے میں مکمل فیض پہونچاتے رہے، آپ قحط الرجال کے اس دور میں علم وعمل اور شریعت وتصوف کے جامع ایک باکمال انسان تھے، آپ کے انتقال سے تمام دینی وعلمی وروحانی حلقوں میں رنج وغم کا ماحول ہے، کیونکہ آپ جیسی علمی شخصیت کا اس دار فانی سے رخصت ہوجانا ملت کا بڑا خسارہ ہے۔

اس صدمہ کی گھڑی میں ہم خدام دارالعلوم حضرت کے خاندان وپسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعاء گو ہیں کہ اللہ عزوجل حضرتؒ کی حسنات کو قبول فرماتے ہوئے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آپ کے ساتھ خصوصی عفودرگذر کا معاملہ فرمائے، غمزدہ خانوادہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۴/۱۲/۱۴۴۳ھ

۲۴/۷/۲۰۲۲ء

اقوال زرین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی جیسی ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر بیٹھتی ہے۔

ایمان اور حیا دو ایسے پرندے ہیں کے اگر ان میں سے ایک اڑ جائے تو دوسرا خود ہی اڑ جاتا ہے۔

مولانا عبدالستار مفتاحی بوڑیوی

خادم مدرسہ ضیاء القرآن خانقاہ بوڑیہ

مکرمان ومشفقان قابل صداحترام بھائی حافظ سید محمد مزین و جملہ برادران وعزیزی مولوی مفتی سید محمد عزیر اکرم سنسارپوری سلمکم اللہ وعافاکم ونفع بکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ حضرات، افرادخانہ ومتعلقین مع الخیر ہوں۔

گزشتہ ۲۲/ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق 22 جولائی 2022 بروز جمعہ عین نماز جمعہ کے وقت یہ جانکاہ خبر دینی علمی اور اصلاحی حلقوں کو اشک بارکرگئی کہ مخدوم العالم قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے مجاز بیعت اورآخری یادگار شیخنا و مرشدنا حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوری بھی منزل فردوس کوسدھار گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ مااعطی ولہ مااخذ وکل شیء عندہ بأجل مسمی فلتصبرولتحتسب۔

حیف ہے وہ بھی نہ چھوڑی تونے اے بادصبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

بے شک وشبہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوری اپنے علم وفضل، تقوی وطہارت، خشیت الٰہی ومعرفت ربانی، تواضع وانکساری اور اتباع سنت وشریعت میں اپنی مثال آپ تھے، ان میں اپنے شیخ ومرشد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی فنائیت وشان عبدیت والی ادائیں جھلکتی تھیں اور وہ خلق خدا کی اصلاح وتربیت کا قابل قدر جذبہ رکھتے تھے، یادش بخیر حضرت سنسارپوری سے میرا برسوں پرانا تعلق تھا اور وہ بھی اس ناچیز پر بڑے مہربان تھے، بلکہ آپ کے والدمکرم حضرت

مولانا سید محمد اسحاق کاظمی قدس سرہ تلمیذ رشید حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹوی محدث سہارن پوری طاب اللہ ثراہ کو بھی اپنے عہد طفولیت میں خوب دیکھنا اور زیارت وملاقات سے مستفید ہونا اچھی طرح یاد ہے، ایک مرتبہ تو آپ نعمت پور ہمارے ماموں کے یہاں دعوت پر بھی تشریف لائے جہاں انتظامی امور کی دیکھ ریکھ اس ناچیز کے ہی ذمے تھی، جبکہ مخدوم گرامی مولانا سنسار پوری از راہ شفقت ومحبت تشریف لاتے ہی رہتے تھے، ایک مرتبہ میری علالت کے زمانہ میں سائیکل سے بھی سفر اختیار فرمایا، مرشدی حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی کی طرح مولانا سنسار پوری بھی دینی خدام کے بڑے قدرداں اور انھیں حوصلہ وعزیمت کی راہ سجھانے والے عظیم دینی پیشوا تھے، بایں سبب جب ''مدرسہ ضیاء القرآن'' خانقاہ بوڑیہ کا تعلیمی افتتاح ہوا تو حضرت سنسار پوری اور حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ خاکسار کی دعوت پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے، ویسے بھی یہ مخلصانہ تعلق دوطرفہ تھا، چنانچہ حضرت نے بھی اپنے یہاں مدرسہ فیض رحمانی میں منعقدہ دینی وعلمی تقریبات میں بارہا بندہ کو یاد فرمایا جو آپ کی غایت درجہ شفقت اور عزت افزائی کی بات تھی، خالص اللہ کی رضا کیلئے ہمہ وقت لوگوں کی دینی واصلاحی اور علمی پیاس بجھانے کی تڑپ آپ کی متحرک زندگی کا روشن عنوان تھی، اسی لئے اپنی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ترجمہ وتفسیر کا معمول سالہاسال جاری وساری رکھا۔

نیز حضرت سنسار پوری کے دم فیض سے خانقاہ رحیمیہ شفائیہ نہ صرف آباد ہوئی بلکہ یہ جسم وروح کی اصلاح وتربیت کا ایسا شاندار کلینک ثابت ہوا، جہاں امراض قلب وقالب کے مجرب نسخے ضرورت مندوں کے درمیان انقلاب آفریں ثابت ہوئے اور عوام وخواص کے ایک بڑے طبقے نے اتباع سنت وشریعت کا عمومی ذوق یہیں سے حاصل کیا، یقیناً آپ کے جانے سے ہدایت کا ایک چراغ گل ہوگیا ہے اور دینی واصلاحی حلقوں میں ناقابل تلافی خلا پیدا ہوگیا ہے، جس کی بھرپائی کیلئے رحمان ورحیم کی بارگاہ میں ہی درخواست گزاری جاسکتی ہے۔

حضرت سے ربط وتعلق کا یہ زمانہ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے جس میں مٹھاس بھرے واقعات بھی ہیں اور راہ عزیمت میں پیش آنے والے مشقت بھرے امتحانات بھی لیکن مولانا سنسار پوری کے ستھرے کردار وعمل نے ہر جگہ ہمیں ان کی محبت کا اسیر بنا کر رکھا، آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو دل ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے، جبکہ آنکھیں اشک بار ہیں، مگر کیا کیا جائے دنیا میں آنا ہی جانے کیلئے ہوا ہے، پس خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنھیں قرآنی زبان میں یاایتھاالنفس المطمئنۃ کہ کر ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ورضوان کی بشارت کے ساتھ اپنے جوار میں بلایا جاتا ہے، ہمارے حضرت سنسار پوری بھی ایسے ہی بہشتی قافلے کے راہ رو تھے، اللہ آپ کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر وسکون کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

بس زیادہ کیا عرض کروں میری طرف سے عزیزان مولوی عبدالجبار مولوی عبدالغفار مولوی عبدالسبحان اور ادارہ کے ہر فرد کی طرف سے دلی تعزیت مسنونہ پیش خدمت ہے اور دعا کی درخواست بھی۔

والسلام

دعا گو ودعا جو

عبدالستار مفتاحی

گوشۂ شفیق

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے نائب صدر

ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوریؒ اپنے پروردگار کے حضور میں

محمد مسعود عزیزی ندوی

ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوریؒ حفید محترم حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری سے ملاقات و تعارف اور تعلق اس وقت ہوا، جب نامہ سیاہ ۱۹۹۲ء میں مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں داخل ہوا، اور وہاں رہتے ہوئے حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کی خدمت میں رہنا ہوا، اس وقت ڈاکٹر شفیق صاحب مطب چلاتے تھے اور حضرت سے ملنے کے لئے آتے تھے، حضرت کی پیر کی انگلی میں زخم رہتا تھا، اسکی پٹی کے لئے کبھی خود آتے اور کبھی ڈاکٹر صاحب کا کمپاؤنڈر آتا تھا، تب ڈاکٹر صاحب سے تعلق ہوا، پھر ڈاکٹر صاحب نے مجھے انگلش پڑھانے کیلئے بھی وقت دیا، چنانچہ کچھ دن تک راقم دوپہر کی چھٹی میں ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا، اور وہ مجھے انگریزی سکھاتے تھے، کبھی دوائی کی ضرورت ہوتی تو وہ پھری میں دوائی دیتے تھے اور انکی یہ خاصیت تھی کہ وہ اکثر طلبہ کو مفت ہی دوائی دیتے تھے بلکہ غریبوں کا بھی علاج مفت کرتے تھے۔

چونکہ راقم حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کی خدمت میں رہتا تھا، اسلئے جب بھی ڈاکٹر صاحب آتے، تو حضرت اگر کچھ خاص بات بتلاتے تو ڈاکٹر صاحب کو متوجہ کر کے انکو خطاب کر کے بتلاتے تھے، رمضان میں تراویح کے بعد کی مجلسوں میں اکثر ڈاکٹر صاحب کو خطاب کر کے ہی کوئی بات بتلاتے تھے، ڈاکٹر شفیق احمد صاحب حضرت حافظ عبد الرشید صاحب رائے پوری کے بڑے صاحب زادے حافظ احمد سعید صاحب کے بڑے فرزند تھے، ۱۹۵۶ء میں پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم رائے پور کے چھپر والے مدرسہ (جو اس وقت مدرسہ فیض ہدایت رحیمی کے نام سے موسوم ہے) میں حاصل کی، قرآن شریف اور دینیات کی کتابیں پڑھیں، دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عصری تعلیم کا شوق ہوا، اور ۱۹۷۱ء میں آشارام انٹر کالج وکاس نگر دہرہ دون میں رہ کر دسویں کلاس پاس کی، ایس ڈی انٹر کالج سہارنپور سے ۱۹۷۶ء میں ۱۲ ویں کلاس کا امتحان دیا، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۵ء میں ادیب ماہر، ادیب کامل کا امتحان دیا، ایم ایس انٹر کالج میں بی ایس سی شروع کی تھی کہ ۱۹۷۶ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں انتخاب ہوگیا، اور ۱۹۸۱ء میں علی گڈھ سے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی اور دو سال کا تجوید کا کورس کر کے ڈپلومہ کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا، علی گڈھ کے قیام کے دوران تبلیغی جماعت میں جانے کا شوق ہوگیا، اور وہاں پر چھ چلے جماعت میں لگائے، ۱۹۸۲ء میں اپنے دادا حضرت حافظ عبد الرشید صاحب رائے پوریؒ کے مشورے سے مطب قائم کیا، جس میں آپ نے مخلوق خدا کی بے لوث خدمات انجام دیں۔

۱۹۸۶ء میں رائے پور میں مختار رحیمی چلڈرین اکیڈمی قائم کی،جس کا مقصد مسلمان بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیمات سے روشناس کرنا اور دینی بیداری پیدا کرنا تھا،جو ماشاء اللہ ابھی تک جاری ہے،اور قوم کے بچے اس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں،اپنے دادا حضرت الحاج حافظ عبد الرشید صاحب کی خصوصی توجہات حاصل کیں،ان کے ساتھ اسفار بھی کئے بلکہ اخیر عمر میں حضرت حافظ صاحب کے ہر سفر میں ساتھ رہتے تھے،حضرت کی خصوصی عنایات اور توجہات نے ڈاکٹر صاحب کو بہت بلند مقام پر پہونچا دیا تھا،جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اللہ کے مقبول بندے اور اللہ کی مخلوق کے خدمت گذار اور مستجاب الدعوات بن گئے تھے،۲۷/جنوری ۱۹۹۶ء میں حضرت الحاج حافظ عبد الرشید صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو ان کا جا نشین بنایا گیا،اجازت وخلافت حضرت حافظ صاحب آپ کو پہلے ہی دے چکے تھے،حضرت کے جانشین بننے کے بعد آپ برابر حضرت حافظ صاحب کے حلقہ مریدین میں سفر کرنے لگے،اور رشد وہدایت کے لئے لوگوں کے پاس جانے لگے،اور اللہ کی مخلوق کو پہلے جو فیض طبی اعتبار سے پہنچاتے تھے، اب روحانی اعتبار سے بھی پہنچانے لگے،ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب ذاکر و شاغل اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے،حضرت حافظ صاحب کے انتقال کے بعد راقم کو رمضان شریف میں ڈاکٹر صاحب کو کئی سال تک قرآن شریف سنانیکا موقع ملا،اور ڈاکٹر صاحب کے جذبات،ان کی دینی تڑپ اور فکر اور امت کے تئیں ان کے غم کو قریب سے دیکھنے کا اور سمجھنے کا موقع ملا،اللہ تعالی نے ان کے اندر بلا کی ذہانت،ذکاوت،بیدار مغزی،مسلمانوں کے حالات سے دل چسپی اور اسلامی فکر، نیز حالات حاضرہ کے تقاضوں کو سمجھنے کی اور مناسب تدبیر کر کے مقابلہ کرنے کی صلاحیت اور ہمت وجرأت رکھی تھی،وہ بڑے عظیم واقعات اور حادثات کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے اور ان کے حوصلے اور ہمت میں ذرا بھی ڈگمگاہٹ نہیں ہوتی تھی،وہ بہت ہی با حوصلہ اور جری انسان تھے،پس ہمتی بزدلی اور مصلحت بینی ان کی ڈکشنری میں نہیں تھی،وہ جو بات حق سمجھتے تھے،اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور بے باکی کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے،میں نے انکی زبان سے کبھی بزدلی کی باتیں نہیں سنی،وہ ہمیشہ پورے حوصلے اور ہمت کے ساتھ اپنی باتوں کی تبلیغ واشاعت کرتے تھے،مجھے ان کے ساتھ کئی جگہ سفر کرنیکا بھی موقع ملا،ہر جگہ ان کو ایک با حوصلہ مربی اور دل آویز شفیق پایا۔

انکی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے ساتھ جو سفر کرتا تھا، وہ اس کا بھی کرایہ خود دیدیا کرتے تھے،جس زمانے میں شاہ عبد العزیز صاحب رائے پوری پاکستان سے ہندوستان آئے ہوئے تھے اور وہ دہلی میں مقیم تھے،تو ڈاکٹر شفیق صاحب دہلی بس سے گئے تو جو لوگ ان کے ساتھ تھے،ان کا کرایہ بھی خود ڈاکٹر شفیق صاحب نے دیا،اور خود کا راقم کا بھی تجربہ ہے، ۲۰۰۰ء میں جب راقم نے مرکز احیاء الفکر الاسلامی قائم کیا تو انکو اس کا نائب صدر بنایا،اس کے سلسلہ میں انہوں نے بہت کوشش کی،ہم نے پہلے ہی سال اس کے لئے (ایف.سی.آر.اے.) لینے کا پروگرام بنایا،تو ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں میرے ساتھ دہلی گئے،اور کرایہ خود ادا کیا،پھر وہاں مولانا آزاد فاؤنڈیشن میں بھی گئے،وہاں اس وقت عثمانی صاحب ان کے علی گڈھ کے ساتھی ذمہ دار تھے،اور ان کے ساتھی کمال صاحب کے یہاں قیام رہا،ان کے ساتھ میرا سفر مالیر کوٹلا،پنجاب کے علاقہ میں بھی ہوا اور کرنال کے علاقہ میں بھی،اللہ تعالی نے ان کو عجیب

ہمت وخدمت کا جذبہ دیا تھا۔

آنے والے مہمان اور اہل تعلق ان کو جو ہدایا دیتے تھے، وہ ہدایا کو بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے، ان کی طبیعت میں لالچ نہیں تھا، اور نہ وہ بخیل تھے، ان کو اکثر پیسے نہ ہونے کی شکایت رہتی تھی، مگر اگر آگئے تو فوراً خرچ کردیا کرتے تھے۔

وہ لوگوں سے محبت اور تعلق میں ان کے یہاں کے اسفار کرتے تھے، ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے، کسی کو تعویذ دیتے تھے، کسی کو نسخہ لکھ کر دیتے تھے، کسی کو اپنے پاس سے دوائی دیتے تھے، کسی کو دوائی کے لئے پیسے دیتے تھے بلکہ کسی کو کرائے کے لئے بھی پیسے دیتے تھے، عجیب اللہ کے بندے تھے۔

وہ مدارس میں بھی جاتے تھے، مساجد میں بھی جایا کرتے تھے، لوگوں کے گھروں میں بھی جایا کرتے تھے، ان کے یہاں قیام کرتے، ذکر کی مجلس قائم کرتے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے، ان کے اندر سے بزدلی نکالتے، ان کے حوصلے بڑھاتے، ان کو ہمت وجرأت کے نسخے اور طریقے بتلاتے تھے، اور اس کے لئے بڑے بڑے وظیفے بھی کرتے تھے بلکہ بعض مرتبہ تو پوری پوری رات جاگتے اور وظائف پڑھتے، ذکر کرتے اور اللہ سے دعائیں کرتے اور گریہ وزاری کرتے، اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعائیں قبول کرتا اور وہ جس مقصد کے لئے شب گزاری کرتے وہ پوری ہوجاتی۔

انہوں نے کبھی مال جمع کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ ایثار وقربانی سے کام لیا، اہل تعلق کا خوب خیال رکھتے، آم کے زمانے میں جب بھی ان سے ملاقات کے لئے جانا ہوا تو فوراً آم کی پیٹی دیتے، کبھی کوئی اسپیشل دوائی بناتے وہ بھی دیتے، راقم کی والدہ کی طبیعت خراب رہتی تھی، کبھی بھی فون کیا فوراً گھر آتے اور نسخہ لکھ کر دیتے، نہ کرایا دینا پڑتا نہ اجرت، مدرسہ میں بھی آتے اور ان کو یہاں آکر سکون ملتا تھا، فرماتے تھے آپ کے یہاں آکر ایسا لگتا ہے جیسا کہ علی گڑھ ہوسٹل میں لگتا تھا، وہ چونکہ مرکز کے نائب صدر تھے، اس لئے بار بار آتے، ایک مرتبہ رمضان میں ۲۹ رنومبر ۲۰۰۲ء میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل تأثر لکھ کر گئے، آج مؤرخہ ۲۴ ررمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۹ رنومبر ۲۰۰۲ء مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں بغرض دعا تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر حاضر ہوا، مرکز کی علمی خدمات اور تعمیر دیکھنے کا موقع ملا، انتہائی تسکین ہوئی، جناب مفتی قاری محمد مسعود صاحب عزیزی ندوی کی صلاحیت وفکر وجذبہ سے یہ خیال قوی ہوتا ہے کہ اس مرکز کا مستقبل انتہائی روشن وتابناک ہوگا، اللہ تعالی اس مرکز کو گوناگوں ترقیات سے نوازے۔ احقر شفیق احمد

اس کے بعد تین ماہ بعد پھر ڈاکٹر شفیق صاحب اپنے بھائی جناب الحاج عتیق احمد صاحب کے ساتھ آئے اور یہ تأثر لکھ کر گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ کو محترم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی ناظم مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، ضلع سہارنپور کی دعوت پر آج مرکز میں حاضری ہوئی، اس سے پہلے بھی مرکز میں حاضری ہوتی رہی، یہ دیکھ کر کہ مرکز روز بروز ترقی کر رہا ہے، بے حد خوشی ہوئی، دراصل یہ مولانا محمد مسعود صاحب مدظلہ العالی کی فکر اور جدو جہد کا نتیجہ ہے، دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی مرکز کو ترقیات سے نوازے اور جو منصوبے ہیں اللہ تعالی سہولت کے ساتھ پورا کرادے، اللہ تعالی تمام جدوجہد اور کوششوں کو قبول فرمائے، اور اپنی رضاء کا ذریعہ بنائے۔ ڈاکٹر شفیق احمد۔ عتیق احمد

۲۱ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ ...... بقیہ صفحہ نمبر ۴۷ پر

گوشۂ شفیق

ایک قابل قدر شخصیت کے وجود سے محرومی

مولانا محمد ساجد کھجناوری مدرس حدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ابھی ابھی فجر کی نماز اور دوسرے معمولات سے فارغ ہوکر واٹس ایپ آن کیا تو برادر مکرم مولانا بدر عالم رائپوری کا یہ میسیج دیکھ کر رنج واحساس میں ڈوب گیا کہ آپ کے قابل احترام چچا جان اور حضرت الحاج حافظ عبدالرشید رائپوری کے مجاز بیعت محترم الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائپوری برادر اکبر الحاج شاہ عتیق احمد رائپوری مدظلہ متولی خانقاہ رائے پور آج شب جمعہ میں خالق حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون، ان لله ما اعطى وله ما اخذ و كل شيئى عنده بأجل مسمى ، حضرت ڈاکٹر شفیق احمد رائپوری بہت سی خوبیوں کے حامل، ایک خدا رسیدہ انسان تھے وہ عصری علوم کے پروردہ ایک اچھے معالج اور ڈاکٹر تھے تاہم اپنی نسبی شرافت، دینی مزاج کی پختگی ، سیاسی وسماجی شعور کی آگہی اور سنہری خاندانی روایات کی پاسداری نے انھیں ایک طبقہ میں محبوبیت کی شان عطا کر رکھی تھی۔ قریب الدیار اور خانقاہ رائپور میں گاہے گاہے اپنی آمد کے باوجود ان سے زیادہ علیک سلیک تو نہیں رہی لیکن دو تین تفصیلی ملاقاتوں میں ان سے سوال وجواب اور استفادہ کا موقعہ ملا تو آپ کی بڑی قدر ہوئی ، حضرت ڈاکٹر صاحب ایک راجپوت گھرانے کے چشم وچراغ تھے تو ان میں جرأت اظہار ، بے باک گفتگو اور درویشانہ زندگی اختیار کرنے کے باوجود شاہانہ مزاج وکیفیت کا جوہر نمایاں تھا۔

بزرگان رائپور سے خاندانی اور روحانی انتساب اور ذکر وفکر کی پابندی نے انھیں بافیض شخصیت کا روپ دے رکھا تھا، چنانچہ شہری اور دیہی علاقوں سے کہیں زیادہ جنگلات کے خانہ بدوش مسلم گوجران سے ٹوٹ کر محبت کرتے اور بیعت واصلاح کا تعلق استوار رکھتے تھے۔ ایک سفر میں محترمی مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد کہنے لگے کہ چلو اپنے پیر بھائی ڈاکٹر شفیق احمد صاحب سے ملاقات کراتا ہوں، بندہ نے غنیمت جان کر فوراہامی بھرلی، کچھ دیر کے بعد آپ کے مکان پر حاضری ہوئی تو آپ وظائف میں مشغول تھے، فوراہی ہمیں اندر بلوالیا، محبت وبے تکلفی کے ماحول میں ڈھیر ساری باتیں ہوئیں۔ دین وسیاست اور ملک کے تیزی سے بدلتے حالات پر وہ شاکی ضرور تھے لیکن ناامید بالکل نہیں۔ حضرت شیخ الھند ۔ حضرت سندھی اور بڑے حضرت رائپوری کے افکار وسیاسی رجحانات پر ان کا فوکس تھا اور وہ دین وملت کی حفاظت کیلئے ضروری وسائل وتدابیر اختیار کرنے پر زور دے رہے تھے، ان کے سینہ کا درد زبان وچہرہ سے صاف جھلک رہا تھا، انہوں نے ہماری موجودہ قیادت کو کوسنے کی عام روایت سے ہٹ کر ہر فرد کو اپنے حصہ کا کام کرنے اور ہمت وحکمت کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت پر زور دیا تھا، آج جب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے تو مجھے ان کا جرأت سے بھرپور وہ بیانیہ رہ رہ کر یاد آرہا ہے۔

کیسا عجیب خدامست انسان تھا، رقیب بھی حیران وششدر تھے کہ اس زمانہ میں خدا کی رٹ لگانے پر اکبر کو اصرار کیوں ہے؟۔ ڈاکٹر صاحب تو اب آخرت کے مسافر ٹھہرے لیکن ان کے مشن اور کردار کی خوشبو ہی اب چراغوں کا کام دیے گی۔ جمعہ کی نماز کے بعد ملت کے اس غم خوار کو بھی منوں مٹی کے نیچے سلادیا گیا۔

قصہ مختصر یہ کہ حق مغفرت کرے عجیب مرد آگاہ تھا۔

گوشۂ شفیق

تاریخ عزیمت کے ایک عہد کا خاتمہ

مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری رئیس: جامعۃ الحسنین صبری پور

دوآبہ کے مردم خیز خطہ میں سرزمین رائے پور کو دینی وروحانی مرجعیت حاصل رہی ہے اور علماء وصلحاء نیز عوام الناس کا رشتہ اس تاریخی بستی سے ہمیشہ سے ہی مضبوط رہا ہے، اس تاریخ ساز بستی میں اپنے دور کے خدارسیدہ صوفیوں، مخلص زاہدوں وشب زندہ داروں نے جنم لیا اور تزکیہ واحسان، اصلاح اعمال اور تہذیب نفوس کا کام جاری کیا اور ایک بڑی خلقت نے یہاں آکر جام توبہ نوش فرمایا۔

بزرگان دین کی آمد اور ان کے فیض کا سلسلہ حضرت رائے پوریؒ کے دور سے اب تک الحمدللہ جاری وساری ہے، متلاشیان حق یہاں پروانہ وار آتے اور اپنی اصلاح کرتے ہیں، حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوریؒ بھی ظاہری طبابت کے ساتھ روحانی نسخے بھی عطا فرماتے تھے اور یہ نسخہ روحانی ان کو اپنے دادا ولیٔ کامل حضرت الحاج حافظ شاہ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کے وصال کے بعد ان کی جانشینی وخلافت کی صورت میں ملا تھا، آپ کی قیام گاہ وخانقاہ، اور مریضوں سے ملاقات کا ایک ہی کمرہ تھا جو آپ کے ذاتی مکان میں واقع تھا، وہیں بیٹھ کر اس مرد درویش نے خلق خدا کے علاج کئے اور بدن کے امراض کی تشخیص وتجویز اور ادویہ کے ساتھ ساتھ گناہوں سے اجتناب ودوری کا پارٹ پڑھایا، کثیر تعداد میں عوام وخواص آپ کے یہاں حاضر ہوتے اور آپ کی نگاہ تربیت ان پر توجہ ڈالتی، اپنے سامنے گناہوں سے توبہ کرواتے، اطراف واکناف کے عوام وخواص ان کی مجالس میں حاضری دیتے، خصوصا مسلم گوجر کی ان کے دیار میں نیازمندانہ حاضری بڑی دیدنی تھی، پروانہ وار ان حضرات کا ہجوم ہوتا اور اپنی طہارت باطنی کا سامان مہیا کرتے۔

وفات سے قبل آپؒ کے بارے میں آپؒ کے صاحبزادے حافظ سفیان کی روایت ہے آپ نے کہا "مجھ سے بیعت ہونیوالوں کی تعداد جہاں تک میرا اندازہ ہے، ساٹھ ہزار کے قریب ہے"۔

رب ذوالجلال نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے متصف فرمایا تھا، خانقاہ عالیہ رائے پور میں ماضی کے ادوار میں جو تاریخی وانقلابی پیش رفت ہوئی اور حضرت رائے پوریؒ وحضرت شیخ الھندؒ نے تحریک ریشمی رومال کا جو پلان اور خطہ یہاں بیٹھ کر تیار کیا، اس تحریک کے اندر جو فکر کارفرما تھی، اس کی ایک جھلک ڈاکٹر صاحبؒ کی زندگی میں پنہاں تھی، وہ آنے والے مریدین، معتقدین ومنتسبین کو شریعت اسلامیہ کے احکام پر عمل آوری کی مستحکم وپرزور دعوت دیتے ہوئے ملک کے موجودہ احوال پر بھی گفتگو فرماتے، کڑھتے، ان کی سوز وتپش ان کے الفاظ سے عیاں ہوتی، اور وہ علامہ اقبالؒ کے اس نظریہ "عجمی تصوف سے روح جہاد نکل چکی" کے قائل نہ تھے بلکہ تصوف کے ساتھ ہندوستان میں امن وانسانیت، ظلم کے خلاف سینہ سپر، اور

ملک کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے، کبھی کبھی ملک وملت کے لئے ان کا تپش قابل دید ہوتا، چہرہ لال ہو جاتا، اور وہ نوجوانان ملت کو ہر طرح تیار رہنے کا حکم کرتے، دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سماجی علوم نیز دیگر پروفیشنل کورسز کرنے کا حکم کرتے، انہوں نے ہمیشہ اتحاد (unity) پر زور دیا، مضبوط پلیٹ فارم تیار کرنے کی تلقین کی، ان کا ماننا تھا کہ کمیونٹی ہی عزت تسلیم کرا سکتی اور وقار بحال رکھ سکتی ہے، ان کی صدا تھی کہ مسلم نوجوان اپنے بازوؤں میں طاقت پیدا کریں تا کہ وہ ظلم کو روک سکیں اور امن وامان کا ماحول بنانے میں معاون ہوں، حکومت سے حق مانگنے سے حق نہیں ملتا، اپنے کو مضبوط بنائیں، سوشل ذمہ داری نبھائیں، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے، یہ ان کی مجلس کا اہم موضوع ہوتا تھا۔

راقم کو بھی کئی مرتبہ زیارت وملاقات کا شرف حاصل رہا، بہت سے موضوعات پر گفتگو ہوتی، ہمیشہ خوش اخلاقی واکرام کا معاملہ فرماتے،

یہاں ہم آپؒ کی تعلیم و دیگر مشغولیات اور ازدواجی زندگی کو سامنے لانے کے لئے آپ کے بھتیجے جواں سال عالم دین اور خانقاہ عالیہ رائے پور کے ترجمان مولانا بدر عالم مظاہری ندوی مدظلہ العالی کی تحریر کا سہارا لیں گے آپ لکھتے ہیں:

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم صاحب رائے پوریؒ نے اپنی تینوں بیٹیوں کا نکاح اپنے چچا حضرت حافظ عبد الرشید رائے پوریؒ کے بڑے صاحب زادے حافظ احمد سعید کے تین بیٹوں سے کیا۔ اِس طرح یہ تین بہنیں تین بھائیوں کے نکاح میں آئی۔

بڑی اور بچلی صاحب زادی بالترتیب حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحبؒ اور خانقاہ عالیہ کے موجودہ روح رواں حضرت الحاج شاہ عتیق احمد صاحب کے نکاح میں آئی جن کا نکاح غالبًا ۱۹۸۵ء میں خانقاہ کی مسجد میں طبیب حاذق حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوریؒ نے پڑھایا۔ نکاح کی یہ تقریب بڑی سادگی کے ساتھ خانقاہ کے روحانی ماحول میں عمل میں آئی جس میں کئی مؤقر علماء اور اکابر اہل اللہ نے شرکت فرمائی۔

داماد:۔

حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پوری:۔

آپ کے سب سے بڑے داماد حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی، یو، ایم، ایس کی تعلیم حاصل کی اور پھر رائے پور آکر ڈاکٹری کی پریکٹس شروع کی، کچھ وقت بعد آپ نے رائے پور میں سخت جدو جہد کے بعد ''مختار رحیمی چلڈرنس اکیڈمی'' کے نام سے ایک اردو میڈیم اسکول قائم کیا جو آج بھی رائے پور کا سب سے قدیم اور معیاری اسکول ہے اور جہاں آٹھویں کلاس تک کی تعلیم کا بندوبست ہے، یہ اسکول اِس طرح قائم ہوا تھا کہ رائے پور کے ایک معزز رئیس راؤ مختار خاں جو بے اولاد تھے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شعبۂ قانون میں فارغ التحصیل تھے اور سہارن پور کی عدالت میں وکالت کرتے تھے، انھوں نے اپنی کوٹھی اور اپنی جائیداد قانونی طور پر اسکول کے نام وقف کر کے حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب کی نگرانی میں دی۔ آپ دونوں چوں کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے جہاں کے فضلاء نے سر سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک سے متاثر ہو کر دنیا بھر میں عصری ادارے قائم کئے ہیں، اس طرح آپ دونوں کی فکر اور کوشش سے رائے پور کی سرزمین پر پہلا معیاری عصری ادارہ وجود میں آیا۔

اگر چہ راؤ مختار خاں کی آنکھیں بذاتِ خود اِس ادارے کو

نہیں دیکھ سکی اور وہ مکمل کاغذی نقشہ اور منصوبہ تیار کر کے جلد ہی اِس دنیا کو الوداع کہہ گئے، لیکن ڈاکٹر شفیق احمد صاحب نے ہمت و جرأت اور سخت جدو جہد کے بعد جبکہ آپ کو ان کے رشتے داروں اور گاؤں کے بعض ذمہ داروں سے بھی ٹکرانا پڑا اور مقدمے بھی لڑنے پڑے، عزم و ہمت اور ثابت قدمی و کامیابی کے ساتھ ان کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا اور ان کے نام پر اسکول کا نام رکھ کر ان کے نام کو دنیا میں اور آنے والی نسلوں میں زندہ کر دیا۔

اور امت کے غم میں ڈوبا یہ شخص وفات سے چند روز قبل اپنے صاحبزادہ کو کہہ گیا "مجھے اپنی علالت و بیماری کی زیادہ فکر وتشویش نہیں بلکہ مسلمانوں کو درپیش حالات کا زیادہ غم ہے"

ہمت وجرأت عزم وحوصلہ، صاف گوئی و بے باکی ان کے مزاج کا عنصر تھا، حق کی تائید ان کا شیوہ تھا، باطل سے آنکھ ملانا ان کا مزاج تھا، آنے والے کا اکرام اس کی ضیافت ان کی طبیعت ثانیہ تھی، بانگ دہل حق کا اعلان ان کا خاصہ تھا ہم نے ایک ایسے مردِ حُر کو منوں مٹی کے نیچے دفنا دیا، جن کی ضرورت موجودہ احوال میں بدرجہا تھی ،لیکن مشیت خداوندی اور اجل مسمی کے سامنے کوئی چارہ نہیں اب تو ہمارا ذمہ اتنا ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، اللہ تعالی ان کی مغفرت کاملہ فرمائے آمین۔

......بقیہ صفحہ ۴۳ کا

اب اخیر میں مصروفیت کی بنا پر ملاقاتیں کم ہو گئیں تھیں، مگر پھر بھی سال میں دو تین مرتبہ تو ملاقات ہو ہی جاتی تھی، چونکہ خانقاہ کی مجلس شوری میں راقم بھی ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی تھے، اس لئے جب بھی مجلس ہوتی تو ملاقات ہو ہی جاتی تھی، ابھی رمضان سے قبل ڈاکٹر صاحب کی طبیعت زیادہ خراب تھی ،ان کے گر دے وغیرہ فیل ہو گئے تھے، رمضان سے ملاقات نہیں ہورہی تھی، مگر الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال سے ایک ہفتہ پہلے ۴/ اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعرات عصر کے بعد ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، ملاقات ہوئی، بات چیت ہوئی، میں نے ان کو پہلی مرتبہ ہدیہ دیا، ورنہ تو وہی ہدیہ دیا کرتے تھے، لیکن اس بار میں نے پہلی مرتبہ ان کو ہدیہ دیا، انہوں نے قبول کیا، یہ واقعہ وفات سے ایک ہفتہ قبل جمعرات کا ہے، جبکہ ایک ہفتہ بعد ۱۲/ اگست ۲۰۲۲ء شب جمعہ میں ان کی وفات ہوگئی، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے، بڑے کام کے اور اچھے آدمی تھے، نماز جنازہ میں لوگوں کا بڑا جم غفیر تھا، ان کے برادرخورد جناب الحاج عتیق احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور خانقاہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، چونکہ وہ ہمارے مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے نائب صدر تھے، اس لئے نقوش اسلام کا ایک خصوصی گوشہ ڈاکٹر صاحب کے نام سے نکال کر ان کو ادنی سا خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے ،اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے ایک ماہ بعد ان کے والد ماجد حضرت الحاج حافظ احمد سعید صاحب بھی ۱۳/ ستمبر ۲۰۲۲ء کو انتقال کر گئے، اللہ تعالی انکی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

گوشۂ محمود

نقوش اسلام کی مجلس ادارت کے رکن

مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ اپنے رب کے حضور میں

محمد مسعود عزیزی ندوی

مولانا محمود حسن حسنی ندوی سے تعارف وملاقات اس وقت ہوئی، جب راقم مارچ ۱۹۹۴ء میں مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا، وہاں ان سے پڑھنے کا موقع تو نہ ملا، البتہ مدرسہ کی فضاء میں، وہاں کے ماحول اور پھر دارعرفات میں مطالعہ اور استفادہ کے وقت ان سے ربط وضبط ہوا، اسی زمانے میں شاید ان کی شادی بھی ہوئی تھی، ان کی شادی میں شریک ہونے کا موقع بھی ملا، جب راقم ندوۃ العلماء لکھنؤ آ گیا، پھر ان سے خصوصی تعلق قائم ہو گیا اور وہ بھی اہتمام اور شفقت سے پیش آنے لگے بلکہ جب وہ ندوہ آتے تو بعض مرتبہ عشاء کے بعد چائے یا کسی مشروب کے لئے وہ کینٹین یا ندوہ میں جو مارکیٹ ہے وہاں لے جاتے اور ضیافت کرتے، اور بہت سی باتیں بتلاتے، جب ۱۹۹۷ء میں راقم نے اپنے شیخ حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کے حالات پر ان کی سوانح حیات ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے ترتیب دی، تو اس کے آخر میں سلاسل اربعہ کے سلسلہ میں مولانا محمود حسن صاحب نے خاص تعاون کیا اور ان کی رہنمائی سے اچھا کام ہو گیا، اس طرح پھر علمی کاموں میں ان کے مشورے سے اور رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

پھر ندوہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اور حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے تعلق ہو گیا، مولانا محمود حسن صاحب بھی چاہتے تھے کہ کسی کامل شیخ سے ان کا تعلق ہو، راقم حضرت مفکر اسلام کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے مولانا محمود حسن کی موجودگی میں بیعت ہو گیا تھا، راقم انٹرنیشنل مشاہدات اور بہت سے بزرگوں سے ملاقات اور انکے احوال سے واقف ہونے اور ان کی صحبت کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس وقت سب سے زیادہ صاحب تاثیر شیخی مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ہیں، راقم اپنے اس تأثر کو اہل تعلق کے سامنے ظاہر کرتا، تو مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ کو بھی اپنے اس تأثر سے آگاہ کیا، پھر وہ مطمئن ہو گئے، اور انہوں نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو چھوڑ کر کسی کے اوپر نگاہ نہیں ڈالی، اس کا وہ اعتراف بھی کرتے تھے کہ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں، اللہ تعالی انکو جزائے خیر عطا فرمائے، کہ وہ اس بات کا آخر تک اعتراف کرتے تھے۔

انہوں نے راقم کو ایک مرتبہ کہا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ملفوظات کو جمع کر کے شائع کرو، چنانچہ راقم نے حضرت رائے پوری کے ملفوظات قسط وار پہلے نقوش اسلام میں شائع کئے، اور پھر ان کو کتابی شکل میں تیار کیا، مولانا محمود حسنی نے اس پر مندرجہ ذیل تقریظ لکھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین دین والوں کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے اہل علم بھی علم حاصل کر کے دین پر عمل کرنے والوں کی صحبت حاصل کر کے علم دین پر عمل کی صلاحیت کو پختہ کرنے کے لئے اپنا وقت فارغ کرتے ہیں، گذشتہ صدی میں ان ممتاز اہل اللہ میں جن کے اندر دین راسخ ہو چکا تھا، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کا نام نامی نمایاں ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ ''تزکیہ جسے کہتے ہیں، وہ ان کے یہاں پورا ہو چکا تھا'' چنانچہ ممتاز ترین اہل علم شہرت کے بام عروج کو پہنچنے کے باوجود ان کی صحبت میں حاضری کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت اور عین سعادت اور انتہائی شرف کی بات سمجھتے تھے، حتی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ اپنی بے پایاں علمی ودینی مصروفیات کے باوجود رائے پور حاضری کا التزام فرماتے، حضرت رائے پوری قدس سرہ سے استرشاد واستفادۂ دینی کے لئے خلقت امنڈ پڑی تھی، ان میں ایک بڑی تعداد کو ارشاد وافادۂ دینی کا اہل سمجھ کر حضرت نے اپنا مجاز بھی فرمایا، بقول حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم حضرت مریدین کو ذکر تلقین فرماتے اور جس پر اس کے آثار دیکھتے اسے مجاز بھی فرما دیتے، ان میں بعض سے حضرت کو بڑا تعلق خاطر اور ان پر اعتماد رہا، ان میں حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری (فیصل آبادی) اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسین للہی رحمہما اللہ ہیں، ان دونوں حضرات نے حضرت کے ملفوظات قلم بند فرما کر شائع کئے تھے، ضرورت تھی کہ ان میں سے کچھ اہم ملفوظات منتخب کر کے ذیلی عناوین کے ساتھ شائع کئے جائیں، چنانچہ وابستگان خانقاہ رائے پور کے ایک صاحب تصنیف وتحقیق فرزند مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی زید فضلہ ورشدہ نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور ان ملفوظات کے شروع میں حضرت کے مختصر حالات بھی شامل کر دئے ہیں۔

اس طرح اب یہ کتاب خانقاہ رائے پور کی طرف سے طبع جدید کے طور پر ناظرین باتمکین کے سامنے ہے، اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے مستفید فرمائے، اور اپنے نام کی حلاوت اور اپنی عبادت کی لذت واطاعت کا نور عطا فرمائے۔

والسلام

محمود حسن حسنی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں رائے بریلی

(شب عید وجمعہ) یکم شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

الحمد للہ یہ کتاب خانقاہ رائے پور سے اس کے بعد کراچی سے شائع ہوئی اور پسند کی گئی، اور جب ۲۰۰۶ء نقوش اسلام کے اجرا کا پروگرام بنایا تو مولانا محمود حسن صاحب پہلے ہی دن سے اس کی مجلس ادارات میں شریک رہے، اور قسطوار حضرت مفکر اسلام کے ملفوظات تحریر کر کے دیتے رہے، جو نقوش اسلام میں شائع ہوئے، یہ تمام ملفوظات راقم کی کتاب ''میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام'' میں مستقل ایک باب کی شکل میں ''وصایا مفکر اسلام'' کے عنوان سے شائع ہوئے، اور پسند کئے گئے، اسی طرح راقم کی کتاب ''افکار دل'' پر مولانا محمود حسنی صاحب نے میرا تعارف لکھا، جو پسند کیا گیا، بلکہ بعض لوگوں نے حیرت وتعجب کیا، اس لئے کہ عام طور سے چھوٹا اپنے بڑے کی کسی کتاب یا مضمون پر تعارف لکھتا ہے، لیکن کوئی بڑا اپنے کسی چھوٹے کی کتاب پر اس کا تعارف لکھے، یہ تعجب کی بات سمجھی جاتی ہے، مگر اللہ تعالی مولانا کے درجات بلند فرمائے، وہ راقم سے حد درجہ محبت کرتے تھے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابو

الحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ راقم سے کس قدر شفقت ومحبت اور تعلق کا معاملہ کرتے تھے، اس بنا پر وہ بھی حددرجہ اس تعلق و ہمدردی کو نبھاتے تھے، ان کے اس تعارف کی برکت یہ ہوئی کہ مجلس نشریات اسلام کراچی کے بانی مولانا فضل ربی ندوی راقم کی کتابوں کی پاکستان سے اشاعت کرنے لگے، چنانچہ راقم کی جو بھی کتاب ہندوستان سے شائع ہوتی، چند دنوں کے بعد وہ کراچی سے بھی شائع ہو جاتی۔

مولانا محمود حسن صاحب کئی مرتبہ ہمارے ادارے ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' مظفرآباد، سہارنپور، میں بھی تشریف لائے، ایک مرتبہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے ساتھ آئے، ایک مرتبہ اکیلے بھی آئے اور راقم کے گھر قیام کیا، ایک مرتبہ غالباً ۲۰۰۳ء میں راقم رائے بریلی حاضر ہوا، تو ان کے ساتھ ''مدرسہ فلاح المسلمین'' تیندوا، اور مولانا اسداللہ کے مدرسہ سنار گاؤں اور دیگر کئی اداروں میں جانا ہوا، اسی وقت ایک لطیفہ بھی پیش آیا کہ گاڑی میں ہم شہر رائے بریلی سے جیسے ہی بھیڑ بھاڑ والے علاقے سے باہر نکلے، لطیفے کے طور پر مولانا محمود حسن نے کہا کہ اب ہم صراط مستقیم پر آگئے، وہ جملہ کہہ کر رکے ہی نہیں تھے، کے اچانک کار کے سامنے گائیں آگئی اور حادثہ ہوتے ہوتے بچا، فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور توبہ کی، اللہ تعالی کو بڑائی اور کبر ذرا بھی پسند نہیں آتا، ایسے موقع پر فوراً پکڑ ہو جاتی ہے، شیخ ومرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے فون پر رابطے میں مولانا محمود حسن ہی اکثر واسطہ ہوا کرتے تھے، موقع نہ ہوتا تو کہتے کہ بعد میں بات کرا دینگے، چنانچہ جب موقع ملتا اس وقت بات کرا دیتے، مولانا سے بہت بے تکلفی تھی، ان سے ساری ہی باتیں کرلیا کرتے تھے، اور وہ بھی اپنے دل کی ساری ہی باتیں بتلا دیا کرتے تھے، ہماری طرف سے بعض بات قابل اصلاح ہوتی تو اس پر وہ تنبیہ بھی کر دیا کرتے تھے اور بہت خوبصورتی سے اس کو سمجھا دیا کرتے تھے۔

اکتوبر ۲۰۲۰ء میں رائے بریلی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کی خدمت میں جانا ہوا، تو حضرت سے ایک ضروری مشورہ کرنا تھا، حضرت کی اس سلسلہ میں ہماری خواہش کے مطابق رائے نہیں تھی، تو مولانا محمود حسن نے صورت حال کو سمجھا کر حضرت کو قائل کرلیا، لیکن چونکہ پہلے مرحلے میں حضرت کی رائے نہیں تھی، اس لئے حضرت کے مشورہ پر عمل کیا گیا، اور اس میں خیر ہوا، اس طرح اس سال شوال میں حضرت سے ملاقات کے لئے جانا ہوا، تب بھی مولانا محمود حسن صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ بیمار تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے ضیافت کی، خربوزہ وغیرہ منگایا، چائے پلائی، آپ کے پاس کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، فرمانے لگے جو تمہارے پاس نہ ہوں اور پسند ہوں لے لو، راقم نے بعض کتابیں لے لیں، اور پھر ان سے زندگی کا آخری مصافحہ ہوا، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے، رمضان کے اخیر کے عشرہ میں حضرت کی خدمت میں جانا ہوتا، تو آتے وقت وہ سحری کا انتظام اور اسکا اہتمام کرتے، اللہ تعالی انکو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالی نے انکو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا، ان کو جس سے تعلق ہو جاتا، پھر اس کو بہت اچھی طرح نبھاتے تھے سب کے ساتھ حسب مراتب وتعلق پیش آتے تھے اور مخلصانہ مشورہ دیا کرتے تھے، امسال ان کی بیماری کی وجہ سے فون پر کم ہی ان سے رابطہ رہا، ۲۰۲۱ء میں راقم کا (یوکے) کا سفر تھا، اس کے لئے اجازت کے لئے حضرت سیدی ومولائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں ندوہ حاضر ہوا، مولانا محمود صاحب کو جب معلوم ہوا تو ملاقات کے لئے اسٹیشن پر

تشریف لائے اور کچھ کتابیں دیں کہ مولانا یوسف متالا کو دیدینا، اس طرح کی مولانا کی بہت سی باتیں ہیں، بہرحال وہ سب کے لئے عزیز اور مشفق ومکرم تھے، حضرت مفکر اسلام بھی ان کو چاہتے تھے بلکہ مفکر اسلام کے اخیر کے دور میں علمی معاون تھے، اسی طرح مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بھی وہ بہت عزیز اور قریب تھے، حضرت ان پر اعتماد فرماتے تھے، اور ان کی باتوں کا لحاظ کرتے تھے۔

وہ بہت زودنویس تھے، ان کا قلم سیال تھا، اللہ تعالی نے ان کو لکھنے کا ملکہ اور سلیقہ عطا کیا تھا، تھوڑی دیر میں مضمون تیار کرلیا کرتے تھے، ۲۰۱۱ء میں راقم مدرسہ دینیہ غازی پور میں رابطہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہوا، جو اکبرالہ آبادی کے حالات پر منعقد ہو رہا تھا، صبح کو جب اجلاس شروع ہوا، پہلی نسشت میں مولانا نے پوچھا کہ اکبرالہ آبادی پر کوئی کتاب لائے ہو، میں نے پیش کردی، انہوں نے جلسہ شروع ہونے کے بعد اگلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے مقالہ تیار کردیا اور اچھا مقالہ لکھ کر جلسہ میں پیش کر دیا، اس میں نہ کاٹ تھی نہ چھانٹ سلیقہ سے مرتب کیا اور اچھا مقالہ لکھا، اسی طرح بعض شخصیات کی وفات پر مولانا کی بہت جلد سے کتاب آجاتی تھی، بعض بڑے مزاحاً ان سے کہتے تھے کہ یہ پہلے سے ہی لکھ کر رکھتے ہیں اور وفات ہوتے ہی وفات کی تاریخ لکھ کر شائع کردیتے ہیں، اللہ تعالی مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، وہ رمضان سے قبل شدید بیمار تھے، اندازہ نہیں تھا کہ ہم سے اتنی جلدی رخصت ہو جائیں گے، مگر اللہ تعالی بے نیاز ہے، اسکی حکمتوں و مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا، بہت ہی جلد اپنے دربار میں بلا لیا، اور جمعہ کے روز ۱۲/اگست ۲۰۲۲ء کو مولانا کا انتقال ہوگیا، پہلی نماز جنازہ ندوہ میں ہوئی دوسری تکیہ کلاں میں اور وہیں خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، مولانا محمود حسن صاحب کی ولادت ۲۸/جماد الاولی ۱۳۹۱ھ م ۲۲/جولائی ۱۹۷۱ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں حاصل کی، پھر فراغت دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ۱۹۹۲ء میں تخصص فی الحدیث میں کی، اس کے بعد درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے، اور اپنے پیچھے اپنی علمی خدمات چھوڑ گئے، چونکہ وہ نقوش اسلام کے پہلے ہی دن سے مجلس ادارت کے رکن تھے، اس لئے یہ چھوٹا سا گوشہ مولانا کے حالات پر شائع کرکے ادنی سا خراج عقیدت پیش کیا جارہا ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

......بقیہ صفحہ ۳۲ کا

آپ کی رحلت ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے لیے بالعموم اور متوسلین و متعلقین کے لیے بالخصوص ایک صدمۂ جاں کاہ اور حادثۂ دل فگار کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس سے میکدۂ معرفت وروحانیت کی تب وتاب ماند پڑ کے رہ گئی اور تشنگانِ محبت و روحانیت اپنی حرماں نصیبی پر زبانِ حال سے گویا یہ کہتے ہوئے رہ گئے:

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل
کوئی کیوں کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکان اپنی بڑھا گئے

گوشۂ محمود

خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود

مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بہت سے الفاظ کثرت استعمال سے اپنے معانی کھودیتے ہیں، ان ہی میں ''داغ مفارقت'' بھی ہے، لیکن عزیز محمود نے مفارقت کا جو داغ دیا مشکل ہے کہ وہ مندمل ہوسکے، وہ عمر میں مجھ سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے، بچپن سے ہم دونوں کا ساتھ تھا جو اخیر تک رہا، ان کو دین کا ذوق بچپن سے حاصل تھا، جو عمر کے ساتھ بڑھتا گیا، وہ اپنے زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں بہت آگے گئے، ہر کام میں ان کے سامنے دینی فائدہ ہوتا، دنیا کے کسی ادنیٰ فائدہ سے ان کو کوئی رغبت نہ تھی، ان کو شروع سے بزرگوں سے استفادہ کا شوق تھا، مشائخ عصر کی خاص توجہ وشفقت ان کو حاصل رہی، متعدد مشائخ سے ان کو اجازت وخلافت بھی ملی، مگر انہوں نے کہیں اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ان پر خاص نظر شفقت تھی، اخیر میں وہ حضرت کے علمی کاموں میں معاون بنے، خاص طور پر کاروان زندگی کی آخری جلد کی تکمیل جو حضرت نے معذوری کے زمانہ میں کی محمود نے حوالوں کی تلاش میں بڑی مدد کی اور حضرت کی دعائیں لیں، اس کے مقدمہ میں حضرت نے ان کا تذکرہ کیا اور دعائیں دیں، ان کی وفات کے بعد وہ حضرات شیخین کے ہو کر رہ گئے، سفر نامے بھی لکھے اور حضرت مدظلہ کے علمی کاموں میں خاص معاون رہے، یہاں تک کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

ان کو لکھنے کا ذوق روزنامچہ لکھنے سے پیدا ہوا، پھر وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا روز نامچہ لکھنے لگے، دسیوں ڈائریاں لکھ ڈالیں، جواب ایک یادگار اور ایک بڑا خزانہ ہے، سوانح نگاری کا ذوق ان کو اپنے نانا حضرت موالانا محمد ثانی حسنیؒ سے ملا جو مزید پروان چڑھا، دسیوں ضخیم کتابیں انہوں نے کم وقت میں تیار کردیں، ان کا قلم سیال تھا، لکھتے تو ایک ہی نشست میں دس دس بیس بیس صفحے لکھ ڈالتے، انکا حافظہ مضبوط تھا، مراجع ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، لکھنا ان کی ہابی (Hobby) تھی، وفات سے چند دنو پہلے وہ چنڈی گڑھ جانے کے لیے لکھنؤ آئے تھے، اپنے کمرہ میں تھے، ہم اندر تھے تو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں، ہم نے کہا کہ ''محمود اپنے اوپر رحم کرو'' بولے کہ مولانا یونس صاحب نے بڑی اچھی ایک بات فلاں جگہ لکھی، خیال آیا کہ نوٹ کرلیں، جن بزرگوں کی انہوں نے سوانح حیات لکھیں، ان میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا شاہ ابرار الحق حقی، مولانا زبیر الحسن کاندھلوی، مولانا محمد یونس جونپوری، مولانا عبداللہ حسنی، مولانا عبدالباری بھٹکلی ندوی شامل ہیں، مولانا سلمان صاحب مظاہری کی سوانح بھی بڑی حد تک مکمل ہورہی تھی، ''عائشہ بی'' کے نام سے...... **بقیہ صفحہ نمبر ۶۲ پر**

گوشۂ محمود

مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ

کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

ایک طویل علالت کے بعد بالآخر مولانا محمود حسن حسنی ندوی بھی ہم سے رخصت ہوگئے، کل تک ہم ان سے بات کرتے تھے، آج ہم ان کی باتیں کریں گے، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی بات کریں گے، وہ خوبیاں اور نیکیاں جو مادیت کے اس دور میں اب کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں اور اگر ملتی بھی ہیں تو صرف ان حضرات کے یہاں جو دین کے پابند، شریعت کے تابع اور صرف اور صرف رضائے الٰہی کے طلبگار ہوتے ہیں، جو دنیا میں رہتے ہیں ایک مسافر کی طرح، زندگی گذارتے ہیں ایک زاہد کی طرح، جو لینے پر نہیں، دینے پر یقین رکھتے ہیں، اپنی فکر کم، دوسرے کی فکر زیادہ رکھتے ہیں، اپنا شوق نہیں، صرف اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، جن کی نظر منزل پر ہوتی ہے اور منزل کی راہ میں حائل روڑوں کو جن کو مادہ پرست نگاہیں ہیرے جواہرات سمجھ کر چکا چوند ہونے لگتی ہیں، ان روڑوں کو ٹھوکر مار کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں، ہمارے محمود حسن حسنی ندوی مرحوم بھی انہی مبارک اور برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک تھے۔

وہ عمر میں تقریباً مجھ سے دس سال چھوٹے تھے؛ لیکن علم اور عمل میں وہ مجھ سے کئی سال بڑے تھے، ان کا کمال تھا کہ رشتہ اور عمر کے اس فرق کا ہمیشہ انہوں نے لحاظ رکھا اور وہ ادب برابر ملحوظ رکھا جو ایک بھانجہ اپنے ماموں کے ساتھ رکھتا ہے، میں تو پھر بھی ان سے دس سال بڑا تھا، مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی تو عمر میں ان سے صرف دو ڈھائی سال ہی بڑے تھے، درجہ کا فرق بھی ایک ہی دو سال کا رہا ہوگا، ہر کام میں شریک، ہم خیال اور ایک دوسرے کے معاون، لیکن چونکہ بلال رشتہ میں بڑے تھے، ماموں لگتے تھے، چنانچہ محمود مرحوم اس رشتہ سے ان کا پورا ادب کرتے تھے، احترام کرتے تھے، اور پوری اہمیت دیتے تھے۔

مرحوم محمود حسنی عقائد میں، عبادات میں، اخلاق میں، معاملات میں، سخاوت وفیاضی میں، مہمان نوازی میں، صلہ رحمی میں، پڑوسیوں کا خیال رکھنے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ہم سب کے لیے ایک نمونہ تھے، وہ جو تھے وہی نظر آتے تھے اور جو نظر آتے تھے وہی تھے، نہ ان کے چہرہ پر تقوی کا کوئی نقاب تھا اور نہ ان کے جسم پر تصوف کا کوئی لبادہ، تقوی ان کے اندر تھا اور حقیقی تصوف جس نے ان کو احسان کے مرتبے تک پہنچا دیا تھا، ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا، ظاہر وباطن کی یہ وہ یکسانیت تھی جو صرف اللہ والوں کے یہاں ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

مرحوم کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ مہمان کسی کا ہو، ملنے کسی اور سے آیا ہو، اس کی خاطر داری وہ ایسی کرتے کہ جیسے کہ

وہ انہی کا مہمان ہے اور صرف انہی سے ملنے کے لیے آیا ہے، رشتہ دار کے ساتھ معاملہ ایسا کرتے کہ لگتا کہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ اس کا انہی سے ہے، وقت بھی دیتے، تواضع بھی کرتے، رشتہ کی نوعیت بھی بتاتے اور دوسرے رشتہ داروں کا تعارف بھی کراتے۔

انہوں نے اپنے ددھیال اور ننھیال دونوں کی خوبیاں پائی تھیں، ان کے اندر تواضع بھی تھی، انکساری بھی تھی اور بے نفسی بھی، ایمانی حمیت بھی تھی، عقیدہ کی پختگی بھی تھی، شرک و بدعت سے نفرت بھی تھی اور حق کے معاملہ میں بے لچک رویہ بھی، ان کو اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ ہوتے نہیں دیکھا گیا، ہاں اگر دین وشریعت کے خلاف کوئی بات ہوتی، یا جمہور اہل سنت والجماعت کے موقف سے ہٹ کر کوئی موقف پیش کیا جاتا، یا کسی نیک بندہ پر کوئی غلط تبصرہ ہوتا یا کسی بزرگ شخصیت کے ساتھ بے ادبی کا کوئی معاملہ ہوتا تو پھر ان کا طیش میں آنا طے تھا، وہ سخت لہجہ میں نکیر کرتے یا تو اپنی بات منوالیتے یا اس مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے کیوں کہ وہ جانتے تھے اور صرف جانتے ہی نہیں، تاریخ کی کتابوں میں محفوظ وہ واقعات ان کی نظروں کے سامنے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اللہ کے نیک بندوں کے سلسلہ میں کی گئی بے بنیاد باتوں کے نقصانات پہنچ کر رہتے ہیں۔

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنی والدہ کے حکم پر اپنے کو اپنے نانا مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ کے دونوں بھائیوں مولانا محمد رابع حسنی ندوی (دامت برکاتہم) اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوری طرح حوالہ کر دیا تھا، انہی کے ساتھ قیام، انہی کے ساتھ سفر، انہی کے علمی کاموں میں معاونت، انہی کے ساتھ کانفرنسوں اور سمیناروں میں شرکت، انہی کے ساتھ معروف ومشہور علمی شخصیات سے ملاقاتیں اور اپنے علمی وتصنیفی کاموں میں انہی دونوں حضرات سے رائے اور مشورہ اور پھر انہی کی رائے اور انہی کے مشورہ پر عمل، یہ وہ چیز تھی جس نے ان کی شخصیت کو سنوارنے اور ان کی افادیت کے دائرہ کو وسیع کرنے کا کام کیا، ان دونوں حضرات کے ساتھ اسفار کا ایک فائدہ ان کو یہ بھی ہوا کہ وہ تقریر کے میدان میں بھی آ گئے، وہ مجلسوں میں تو بولتے تھے اور پوری قوت سے بولتے تھے؛ لیکن اسٹیج سے دور رہتے تھے، لیکن اسفار میں یہ ہوتا تھا کہ بعض جلسوں میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی جگہ ان کو تقریر کرنی پڑ جاتی تھی، کیوں کہ ہر جلسہ میں مولانا جا نہیں سکتے تھے، لہٰذا وہ محمود مرحوم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیتے تھے، اس طرح محمود مرحوم دھیرے دھیرے مقرر بھی بن گئے۔

محمود مرحوم کے بارے میں یہ بات تقریباً یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ جو کام کرتے تھے، اللہ کے لیے کرتے تھے، قریب ہوتے تو اللہ کے لیے، دور ہوتے تو اللہ کے لیے، ناطہ توڑتے تو اللہ کے لیے، ناطہ جوڑتے تو اللہ کے لیے، اپنی کوئی مصلحت، اپنا کوئی مفاد، اپنی کوئی غرض اور اپنی کوئی ضرورت ان کے پیش نظر نہیں ہوتی تھی، سات قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اس دن عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن سوائے عرش کے سایہ کے کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، محمود مرحوم میں ایسی کئی چیزیں پائی جاتی تھیں کہ یقین ہے کہ ان سات قسم کے لوگوں میں وہ بھی شامل ہوں گے۔

سیاست اور سیاسی لوگوں سے محمود مرحوم کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، نہ انہیں ان کو دیکھنے کا کوئی شوق تھا اور نہ ان سے ملنے کی ان کو کوئی خواہش، ندوہ کے مہمان خانہ میں جب اس طرح کے سیاسی لیڈروں کی آمد ہوتی تو ہر آدمی کو شوق ہوتا کہ ان کو دیکھے،

ان کی باتیں سنیں اور اگر ہو سکے تو ان کے ساتھ ایک آدھ تصویر بھی کھنچوالے لیکن اس موقع پر محمود مرحوم یا تو دوسرے کمرے میں جا کر اپنے کسی علمی کام میں مشغول ہو جاتے یا پھر وہ والد محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گھر چلے آتے کیوں کہ ان کو ذرا بھی اس طرح کے لوگوں سے مناسبت نہ تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کو ان سے وحشت تھی، یوں تو وہ جب گھر آتے تو عام طور پر تینوں یعنی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مرحوم محمود حسن حسنی ساتھ ہی آتے تھے، لیکن جب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بغیر یہ دونوں حضرات آتے تو میں سمجھ جاتا تھا کہ آج ندوہ میں کسی سیاسی لیڈر کی آمد ہے۔

لیکن یہی محمود دوسری طرف دینی شخصیات سے ملنے ان کی ضیافت کرنے اور ان کا استقبال کرنے میں وہ سب سے آگے نظر آتے تھے، اس موقع پر ان کی خوشی دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، ایک ایک کو ملواتے، تعارف کراتے اور دعائیں دلواتے، سر پر ہاتھ پھرواتے، اور اپنی کتابیں ان کو ہدیہ کرتے اور گاڑی تک چھوڑنے جاتے۔

زمین، جائیداد، کاروبار اور دنیاداری کے معاملات سے محمود مرحوم کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، اس کا ذکر بھی ہوتا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی مفتی مسعود حسن حسنی ندوی کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہ معاملات ان کے ذمہ ہیں، یہ جانیں اور ان کو ان کے چھوٹے بھائی مولوی منصور حسن حسنی ندوی کو یہ نصیحت کرتے کہ دیکھو ان چیزوں کے چکر میں زیادہ نہ پڑنا، وقت بہت قیمتی ہے، اس کو اسی کام میں لگاؤ جو آخرت میں کام آئے، یہ سب چیزیں تو یہیں رہ جائیں گی، بس جتنا ضروری ہو اتنا ہی کرو۔

محمود مرحوم کا مزاج توڑنے کا نہیں، جوڑنے کا تھا، دور کرنے کا نہیں، قریب لانے کا تھا، فاصلے بڑھانے کا نہیں، فاصلے گھٹانے کا تھا، ادارہ کو ادارہ سے، شخصیت کو شخصیت سے، تحریک کو تحریک سے جوڑنے کا کام گویا ان کا من پسند کام تھا، ندوی، قاسمی اور مظاہری سب کو انہوں نے جوڑ رکھا تھا، وہ بدگمانیوں کو دور کرتے، غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے، ایک کی دوسرے سے تعریف کرتے اور ایک کے سامنے دوسرے کے اچھے پہلو بیان کرتے اور یہ کام بڑے اخلاص اور جذبہ کے ساتھ اور بڑی خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ انجام دیتے۔

نیکی کی بہت سی قسمیں آپ نے دیکھی ہوں گی؛ لیکن نیکی کی جو شکلیں محمود حسنی ندوی مرحوم کے یہاں ملتی ہیں، ان کی طرف لوگوں کی نظریں کم ہی جاتی ہیں، نیکی کرنا ہی صرف نیکی نہیں؛ بلکہ کسی کو گنہگار ہونے سے بچالینا بھی ایک بڑی نیکی ہے، نیکی کی اس قسم کی طرف نیکی کرنے والوں کا ذہن کم ہی جاتا ہے؛ بلکہ ہمارے سماج میں شائد اس کو نیکی ہی نہیں سمجھا جاتا، اس کی دو مثالیں میں آپ کو دیتا ہوں!

جب میرے والد ماجد کا انتقال ہوا تو مجھے اس بات کا خیال نہیں آیا جس بات کا خیال محمود مرحوم کو آیا، انہوں نے لائبریری جا کر یہ معلوم کیا کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے نام سے کوئی کتاب تو نہیں نکلی ہے اور اگر نکلی ہے تو وہ کونسی ہے اور اس کی کیا قیمت ہے، پھر آ کر انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے ابی کے نام یہ کتابیں نکلی ہیں، یہ کتابیں تلاش کر کے لائبریری میں جمع کرا دیں یا پھر ان کی قیمت ادا کر دیں تا کہ آپ کے ابی کے ذمہ حساب باقی نہ رہے۔

اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث

مولانا محمد ناصر علی ندویؒ کا جب انتقال ہوا تو محمود کو اس کی فکر ہوئی کہ ان کے نام کتابیں تو نہیں چڑھیں ہیں، محمود نے لائبریری جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ فلاں فلاں کتاب مولانا کے نام نکلی ہوئی ہے، محمود نے اپنے چھوٹے بھائی مسعود سے کہا کہ مولانا میرے بھی استاذ تھے اور تمہارے بھی، لہٰذا تم لائبریری جا کر کتابوں کی قیمت جمع کر دو، ان کے صاحبزادگان کو بتانے کی ضرورت نہیں، بحیثیت استاذ مولانا کا یہ حق ہم لوگوں پر بھی بنتا ہے۔

ایک واقعہ ان کے ایثار کا عین الحسن بھائی کی زبانی سنیے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ مولانا محمود صاحب کے ساتھ خاتون منزل سے ندوہ آ رہے تھے، موتی محل پل کی ڈھال پر ندوہ کے ایک استاد مولانا مظہر الحق کریمی صاحب پیدل ندوہ جاتے ہوئے ملے، مولانا محمود صاحب نے گاڑی رکوائی، اس سے پہلے کہ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتا، دوسرے دروازہ سے تیزی سے محمود صاحب اتر گئے اور اصرار کر کے مولانا مظہر کریمی صاحب کو اپنی جگہ بٹھایا اور جگہ تنگ ہو جانے کی وجہ سے خود محمود صاحب پیدل ندوہ کی طرف چل دیے، پاؤں میں ورم تھا، کمزوری بھی تھی، میں نے بہت چاہا کہ میں چلا جاؤں، لیکن انہوں نے بڑی سختی سے مجھے روک دیا اور کہا: مجھے بھی کچھ ثواب کما لینے دیجیے۔

گاڑی روک کر کسی کو بٹھانا، کوئی کمال نہیں، لیکن اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا کر بیماری کی حالت میں خود پیدل چل دینا بڑی بات ہے، ایثار اور قربانی کے اس طرح کے واقعات اگر ان کے جمع کیے جائیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ خود تکلیف اٹھا کر اور اپنے کو پریشانی میں ڈال کر دوسروں کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

غریبوں، ضرورتمندوں، پریشان حال لوگوں کی مالی مدد وہ اس طرح کرتے تھے کہ جیسے وہ ان کی مدد نہیں؛ ان کا قرض ادا کر رہے ہیں، لینے والا لے کر شائد اتنا احسان مند نہ بنتا جتنا وہ دے کر احسان مند نظر آتے تھے، ان کی خوبی یہ تھی کہ وہ گن کر نہیں دیتے تھے، جیب میں ہاتھ ڈالتے اور مٹھی میں جو آ جاتا وہ دیدیا کرتے، اپنے لیے کچھ خریدنا، اپنے لیے کچھ کرنا، اپنے لیے کچھ بنانا، ان کو آتا ہی نہیں تھا۔

ایک خصوصیت ان کی یہ بھی تھی کہ آدمی کی ضرورت کو وہ خود ہی بھانپ لیا کرتے تھے اور بغیر اس کے کچھ کہے اپنی بھری مٹھی بڑی خاموشی سے اس کی جیب میں خالی کر دیا کرتے تھے، اگر ان کی جیب میں اس وقت دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اپنے بھائیوں سے کہتے یا اپنے ان قریب ترین لوگوں سے کہتے جن کے بارے میں وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دے سکتے ہیں اور دے کر خوش بھی ہوتے ہیں اور اس طرح وہ دوسروں کو بھی ایک خیر کے کام میں شریک کر لیتے، وہ خود تو انتہائی خوددار اور غیرت مند تھے؛ لیکن دوسرے کے لیے کسی دوسرے سے کہنے میں وہ ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، وہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ اچھائی کا راستہ دکھانے والا ویسا ہی ہے جیسے کہ اچھائی کرنے والا۔

۲۰۱۲ء میں خاندان ہی کے آٹھ افراد پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ حج کو روانہ ہوا، اس قافلہ میں مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم، مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی اور میں بھی تھا اور ہم لوگوں کے گھر والے بھی تھے، محمود مرحوم سب میں چھوٹے تھے، انہوں نے اس موقع پر عبادت اور خدمت کو اس طرح جمع کیا کہ نہ عبادت میں کوئی کمی

کی اور نہ خدمت میں کوئی کوتاہی، اس ذوق وشوق سے وہ کام کرتے تھے اور اپنے بڑوں کو ہر طرح کی زحمت سے بچانے کی وہ ایسی کوشش کرتے تھے کہ ان کے لیے سب کے دل سے دعا نکلتی تھی، حج کے ایام میں ان کے لیے کی جانے والی یہ دعائیں یقیناً آج ان کے کام آ رہی ہوں گی۔

لوگ سفر سے گھبراتے ہیں، بچتے ہیں اور اگر کرنا ہی پڑ جائے تو پھر اس کے لیے پہلے سے تیاری کرتے ہیں؛ لیکن محمود مرحوم نہ سفر سے گھبراتے تھے، نہ بچتے تھے اور نہ اس کے لیے تیاری کو کوئی اہمیت دیتے تھے، وہ لمبے سے لمبا سفر، بڑے سے بڑے شہر کا سفر اس طرح کیا کرتے تھے کہ جیسے ساٹھ ستر میل دور کسی چھوٹی سی بستی میں دو چار دن کے لیے جا رہے ہوں، ایک چھوٹا سا بیگ ہوتا تھا اور اس میں روزمرہ کے استعمال کے دو تین جوڑے، سفر کے موقع پر اگر انہیں کسی چیز کی فکر ہوتی تھی اور سفر طئے ہوتے ہی وہ اس کے انتظامات میں لگ جاتے تھے تو وہ کتابیں ہوتی تھیں، وہ بڑے اہتمام سے ان کتابوں کو یکجا کرتے، پیک کرواتے، گاڑی پر رکھواتے اور جب منزل پر پہنچتے تو ان کتابوں کو ناظم ندوۃ العلماء کے ہاتھوں باذوق لوگوں کو ہدیہ کرواتے۔

محمود مرحوم کا مطالعہ بڑا وسیع اور عمیق تھا، خاص طور پر سیرت، سوانح اور تاریخ کی کتابوں کا اور پھر اس مطالعہ کے ساتھ ان کا تاریخی ذوق، غیر معمولی یادداشت، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتے تھے اور ایک مرجع کی شکل اختیار کر چکے تھے، سنین تو انہیں اس طرح یاد تھے جیسے ذہین بچوں کو پہاڑا یاد ہوتا ہے، تاریخ پیدائش ہو یا تاریخ وفات، پوچھنے پر وہ اس طرح بتاتے جیسے کہ وہ ابھی ابھی دیکھ کر آئے ہوں، ایسا ہی معاملہ خاندانی شجروں اور انساب کا بھی تھا، اس میں بھی وہ سب کی ضرورت پوری کرتے تھے، ان کی سطح کا کوئی آدمی اپنے اس علمی حلقہ میں اب نظر نہیں آتا۔

لکھنے پر تو ان کو ایسی قدرت تھی، خاص طور پر شخصیات پر، کہ وہ دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے بھی کئی کئی صفحات بڑی آسانی سے لکھوا دیا کرتے تھے، نہ ان کو سوچنا پڑتا تھا، نہ ذہن پر زور ڈالنا پڑتا تھا، نہ کسی سے کچھ پوچھنا پڑتا تھا، نہ کتابوں سے مدد لینی پڑتی تھی، وہ مضمون شروع کرتے تھے اور ختم ہی کر کے اٹھتے تھے، ان کا کمال تھا کہ پندرہ پندرہ صفحے ایک ہی نشست میں لکھ دیا کرتے تھے، انہیں معلوم رہتا تھا کہ اس مضمون سے متعلق چیزیں کن کن کتابوں اور کن کن رسائل وجرائد میں مل سکتی ہیں انہیں مواد وحوالہ تلاش کرنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوتی تھی، بس شرط یہ تھی کہ وہ کتاب یا رسالہ ان کی نظر سے کبھی گذرا ہو، بھلے اس پر ایک لمبی مدت ہی کیوں نہ گذر چکی ہو۔

یہ انہی کا کمال تھا کہ انہوں نے بعض ایسی شخصیات پر بڑی ضخیم کتابیں تیار کر دیں، جن پر مواد جمع کرنا، معلومات اکٹھا کرنا اور پھر ان کو ترتیب دے کر کئی سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تیار کر دینا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن محمود مرحوم جب اس کام میں لگتے تھے تو خدا کی مدد ایسی ہوتی تھی کہ ان کے لیے راہیں کھلتی جاتی تھیں اور ان کا قلم ایک تیز رفتار گھوڑے کی طرح ان راہوں پر دوڑنے لگتا تھا، ان کو جب کہیں سے مدد نہ ملتی تو وہ ان بزرگوں کے خاندان والوں سے رابطہ کرتے، ان سے تعلق رکھنے والوں سے مدد لیتے، ان کی بستی کے لوگوں سے معلومات حاصل کرتے اور اپنے مطلب کی چیزیں نکال لیتے اور ان بزرگوں کی زندگی

کے وہ پہلو سامنے لانے میں کامیاب ہوجاتے جن سے ان کی شخصیت اپنے تمام خدوخال کے ساتھ سامنے آجاتی اور پڑھنے والوں کو بھی اس سے فائدہ ہوتا۔

محمود مرحوم کا دل بڑا ہی صاف وشفاف تھا اور اس کی صفائی اور شفافیت کا اندازہ ان کی گفتگو، ان کے لہجہ، ان کے معاملہ، ان کے ملنے کے انداز اور ان کے چہرہ پر ایک سچی مسکراہٹ سے بخوبی ہوجاتا تھا، وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ دوسروں کو اور خاص کر اپنے چھوٹوں کو دینی کاموں میں کیسے آگے بڑھایا جائے اور علمی ترقی کے مواقع ان کے لیے کیسے نکالے جائیں، وہ اپنے لیے نہ کچھ سوچتے تھے نہ اپنے لیے کچھ کرتے تھے، لوگ دنیا سے بےتعلقی کا اظہار تو بہت کرتے ہیں؛ لیکن کھرے اس پر کم ہی لوگ اترتے ہیں، وقت آنے پر قلعی ان کی کھل جاتی ہے اور حقیقت ان کی سامنے آجاتی ہے، لیکن محمود مرحوم کی زندگی دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ جملے یاد آجاتے ہیں جو آپ نے دنیا کو مخاطب کر کے کہے تھے کہ ’’میرے علاوہ لوگ ہوں گے جو تیرے فریب میں آئیں، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں، رجوع کی اب کوئی گنجائش نہیں، تیری عمر بہت مختصر اور تیری زندگی بہت معمولی اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے، آہ!! زادِ سفر کتنا کم ہے اور سفر کتنا لمبا ہے اور راستہ کتنا ویران ہے‘‘۔

محمود مرحوم بھی دنیا کو اسی نظر سے دیکھتے تھے اور بس اتنی ہی اہمیت دیتے تھے۔

محمود مرحوم کی تقریر سننے والوں اور تحریر پڑھنے والوں پر ان کی باتوں کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا، ان کی تقریروں اور تحریروں میں یہ اثر ان کے قول وعمل کی مطابقت سے پیدا ہوا تھا، محمود مرحوم کی تقریر سن کر کوئی ان سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ذرا آپ اپنے کو بھی تو دیکھ لیں، آپ ہم کو جو نصیحتیں کررہے ہیں کیا آپ خود بھی اس پر عمل پیرا ہیں؟ آپ زہد کی بات کررہے ہیں، قناعت کی بات کررہے ہیں، ایثار کی بات کررہے ہیں، عزیمت کی بات کررہے ہیں، پڑوسیوں و رشتہ داروں کے حقوق کی بات کررہے ہیں، امانت، دیانت اور صداقت کی بات کررہے ہیں، ایثار، احتیاط، تقوی اور ورع کی بات کررہے ہیں، سادگی، تقشّف اور اتحاد کی بات کررہے ہیں کیا خود آپ کی زندگی میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں؟

آپ ہمیں تو ڈراتے ہیں خدا کی پکڑ سے، جھوٹ پر، غیبت پر، تہمت پر، بدگوئی اور بدزبانی پر، غلط بیانی پر، الزام تراشی پر، کیا آپ خود بھی ان باتوں پر خدا کی پکڑ سے ڈرتے ہیں؟

محمود مرحوم کی تقریر سن کر واہ واہ کا شور تو نہیں مچتا تھا؛ لیکن سننے والا سوچنے پر ضرور مجبور ہوجاتا تھا اور کچھ دیر کے لیے اس کی اپنی زندگی کا نقشہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا تھا اور اس نقشہ پر گناہوں کے داغ دھبے اس کو صاف نظر آنے لگتے اور پھر ندامت اور توبہ کے آنسوؤں سے وہ ان داغ دھبوں کو دور کرنے میں لگ جاتا تھا۔

یہ تھیں محمود مرحوم کی وہ خوبیاں جنھوں نے ان کو بلندی اور مقبولیت کے اس مقام پر پہنچادیا تھا جس کا اندازہ لوگوں کو ان کی زندگی میں تو اس طرح نہ ہوسکا؛ لیکن ان کا جنازہ دیکھ کر اور جنازہ کے موقع پر تعلق رکھنے والوں کا ازدحام دیکھ کر لوگوں کو ضرور ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی سچی دینداری نصیب فرمائے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

گوشۂ محمود

مولانا سید محمود حسنؒ

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ

مت سہل ہمیں جانوں، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

برادر مکرم مولانا سید محمود حسن حسنی سے چند روز پہلے فون پر گفتگوں ہوئی، بات زیادہ تر علمی وتصنیفی امور سے متعلق تھی، صحت کے بارے میں سوال کیا تو دعا کے لئے کہا، اس طرح کی بیماری اور مصیبت وتکلیف میں بڑے بڑوں کا حوصلہ جواب دے جاتا ہے، مگر ان کا حوصلہ لائق داد تھا اور صبر وتحمل قابل رشک، کوئی شکایت نہیں، اظہار کرب نہیں، اور مایوسی کا کلمہ نہیں بلکہ ایک متشکر شریف انسان کا رکھ رکھاؤ، اس حالت میں بھی بات خالص علمی کرتے، بات کیا ہوتی، وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، کا مصداق ہوتی، ؎

باایں ہمہ ضعف و ناتوانی
دانی چہ کارہا نہ کردیم

دو تین روز پہلے عزیز گرامی سید خلیل حسنی کا پیغام آیا کہ محمود بھائی کے لئے حرم شریف میں دعا کروں، پرسوں برادر معظم مولانا سید جعفر مسعود حسنی کو فون کیا، وہ اس وقت اسپتال میں محمود بھائی کی بیماری پر تشویش ظاہر کی، وہیں ان کے بھائی مولانا مسعود حسنی تھے ان سے بھی بات ہوئی، میں نے عرض کیا کہ جب محمود بھائی کی حالت کچھ بہتر ہوتو میرا اسلام عرض کردیں، اس یاد دہانی کے بعد میں نے ان کی صحت کے لئے دعا کا اہتمام کیا، اور ہم دعا کے سوا کیا کر سکتے تھے، اللہ تعالی کا فیصلہ برحق ہے، قضا آئی اور آج بروز جمعہ ۱۴/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ صبح کے وقت انتقال کی خبر ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون، مولانا مرحوم حسنی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، ان کی والدہ سیدہ امامہ حسنی رحمۃ اللہ علیہا استاد محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی تھیں، محمود بھائی کی پیدائش ۲۸/ امادی الاول ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲/ جولائی ۱۹۷۱ء کو ہوئی، انہوں نے اپنے گھر کے علمی، صالح اور پاکیزہ ماحول میں نشونما پائی، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر ندوہ سے ۱۹۹۰ء میں عالمیت، اور ۱۹۹۲ء میں فضیلت کی، اور المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کا ایک سالہ کورس مکمل کیا، فراغت کے بعد سے علم کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا، مدرسہ ضیاء العلوم میں مدرسی کی، دارعرفات رائے بریلی کے شعبۂ تحقیق وتصنیف سے منسلک ہوئے، یوں اپنی صلاحیت کی پختگی اور علمی ترقی کا اہتمام کیا، اور طلبہ کے افادہ کا بازار گرم رکھا۔

ایک عرصہ سے ندوہ کے پندرہ روزہ تعمیر حیات کے نائب مدیر تھے، ماہنامہ رضوان اور پیام عرفات کی مجلس ادارات کی رکنیت سنبھالی، علمی حلقوں میں ان کی شہرت ایک سنجیدہ محقق اور متین وشائستہ فکر کے حامل مصنف کی حیثیت سے ہوئی، میں نے ان کی کئی تصنیفات پڑھی ہیں، اور ان سے حسنی خاندان کی تاریخ

ونسب کے متعلق استفادہ بھی کیا ہے،اس خاندان کی تاریخ پر اس وقت شاید ان کو ملکہ تامہ حاصل تھا،ایک مرتبہ استاد محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ سے ان کے آباء واجداد کے متعلق کچھ معلومات چاہی تو فرمایا کہ محمود سے رابطہ کرو،اس موضوع پر سب سے اچھی نظر ان کی ہے،اس بہانہ ان سے رابطہ استوار ہو گیا،اور اکثر فون پر بات ہوتی رہتی تھی،ان سے مرے تعلق کا آغاز ان کی طالب علمی کے زمانہ سے رہا ہے،وہ ہمیشہ محبت اور عقیدت سے ملتے،کراچی کی مجلس نشریات اسلام کے ناظم مولانا فضل ربی ندوی صاحبؒ نے ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں میری کتاب ’’ندوہ کا ایک دن‘‘ چھاپنی چاہی تو اس وقت محمود بھائی وہیں مقیم تھے،چنانچہ مولانا فضل ربی صاحب نے ان سے بھی مقدمہ لکھوایا،اس مقدمہ میں انہوں نے میرے ساتھ گہرے تعلق کا اظہار کیا،یہاں ایک مختصر اقتباس پیش ہے،محمود بھائی نے لکھا: ’’کتاب دلچسپ ہے،مؤثر ہے،معلومات افزا ہے،اور ایسے طالب علم کی طرف سے ہے جو اپنی علمی اور تصنیفی خدمات کی بنا پر علمی حلقوں میں ایک اونچا مقام پیدا کر چکے ہیں،اور ایک تاریخی کارنامہ بھی انجام دے رہے ہیں کہ وہ ان خواتین اسلام کے حالات وکارناموں کو مرتب کر رہے ہیں جن کی علمی خدمات رہی ہیں،اور انہیں دینی مقام بھی حاصل رہا ہے،یہ کام ان کا تقریبا چالیس جلدوں میں عربی میں سامنے آرہا ہے،اگر ایسا ہو جاتا ہے تو پھر وہ ذہبی وقت کہے جائیں گے‘‘۔

محمود بھائی نے سوانح نگاری کی ایسی مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس صنف کے صاحب طرز مصنفین میں ان کا شمار ہونے لگا تھا،ان کی چند کتابوں کے نام ہیں’’تاریخ اصلاح وتربیت‘‘ ’’سیرت داعی اسلام‘‘ ’’مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ‘‘ ’’تذکرۂ مولانا زبیر الحسن‘‘ ’’فرشتہ صفت انسان‘‘ ’’سوانح فلسفی اسلام مولانا عبدالباری ندوی‘‘ ’’حیات شاہ ابرارالحق‘‘ وغیرہ انہوں نے ’’تذکرہ مولانا محمد یونس جونپوری‘‘ لکھی تو طباعت سے پہلے پوری کتاب مجھے پڑھنے کے لئے دی،اور میں نے ان کی طلب پر کچھ مشورے دئے،جن پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا،اور کتاب کی اشاعت سے پہلے ان کی روشنی میں کچھ اصلاحات کیں۔

ان کی ایک کتاب ہے ’’تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی‘‘ جو انہوں نے مجھے تحفتا دی،مولانا عبدالباری ندوہ میں میرے درجہ کے ساتھی تھے،انہوں نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی جس طرح خدمت کی اور بھٹکل میں جس طرح اصلاح ودعوت کا کام کیا اس کی نظیر نہیں،مولانا کی زندگی کی جو تفصیلات آئی ہیں وہ قابل رشک ہیں،پاک دل،پاک ذات،و پاک صفات،محمود بھائی نے ان کی سوانح لکھ کر علم وانسانیت کی ایک بڑی خدمت انجام دی،مرحوم متواضع،کریم النفس اور با اخلاق انسان تھے، جب بھی لکھنؤ یا رائے بریلی میں ملاقات ہوتی بڑے تپاک سے ملتے،چہرہ خوشی سے کھل جاتا،اور پورے جسم سے تر وتازگی کے آثار ہویدا ہوتے،میری علمی سرگرمیوں کے متعلق استفسار کرتے،اور اپنی تصنیفات وتحقیقات کا ذکر کرتے،کتابیں ہدیہ کرتے،طبیعت ان کی طرف مائل ہوتی اور ان سے ملکر بہت خوشی ہوتی،مجھ سے ان کا تعلق خالص علمی تھا،ورنہ آج کی دنیا میں خلوص اور علمی رشتہ کو کون پوچھتا ہے بقول:

سود وزیاں کو نظر میں رکھ کر کرتے ہیں یارانے لوگ

محمود بھائی کو تصوف سے مناسبت تھی،اور اس کے تاثرات کبھی کبھی ان کی تحریروں اور امکالمات سے عیاں ہوتے،گرچہ وہ اس کی کوشش کرتے کہ یہ اسرار نااہلوں سے پوشیدہ رہیں،یعنی ’’حدیث دل با اہل دل گو‘‘ کی حکمت زریں پر عمل پیرا ہوتے،انہوں نے اپنے............ بقیہ صفحہ نمبر ۶۷ پر

گوشۂ محمود

مولانا محمود حسن حسنی ندوی رحمہ اللہ میرے ہمدم وہمراز

مولانا طارق شفیق ندوی

تعمیر حیات کے سب ایڈیٹر، دارعرفات کے نائب مدیر، ایک اچھے سوانح نگار مولانا محمود حسن حسنی ندوی ایک طویل علالت کے بعد ۱۲/ اگست کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم میرے ہم عمر، ہم درس، دمساز و ہم راز تھے اور حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور ہمارے درمیان ربط وتوافق کا ذریعہ تھے۔

مولانا محمود حسن حسنی ندوی خاکسار، ملنسار، تواضع پسند، سادہ اور شریف النفس انسان تھے، سادگی، قناعت پسندی اور علم دوستی ان کی شناخت تھی جب بھی ملتے پرجوش اور پرتپاک خیر مقدم کرتے اپنی متعدد تصنیفات ہدیہ کرتے، میرے علم کے مطابق اوراق زندگی بھی انہوں نے ہی ترتیب دی ہے جس کے مطالعہ کے بعد میں نے فون کر کے کہا کہ اس میں متعدد جگہ جھول ہے۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی کبھی بناوٹ کے وسیلوں سے

مسکرائے اور خاموشی کا مشورہ دیا مصلحت پسندی کا سہارا لیا حضرت مولانا ولی رحمانی رحمتہ اللہ کے انتقال کے موقع پر ندوے کا جو وفد مونگیر گیا تھا، وہ پہلے گورکھپور میں میں میرے گھر پر قیام پذیر ہوا تھا، اس میں مولانا محمود حسن صاحب بھی شامل تھے اور پھر واپسی میں بھی ان کا ساتھ رہا، واپسی میں انہوں نے میرے نانیہال، دادیہال اور سسرال کی سیر کی، بہت سی باتیں ہوئیں، پھر جب وہ گھر تشریف لائے تو کڈنی میں خرابی کی وجہ سے ان کے پیروں میں سوجن تھا، میں نے پانی گرم کیا اور اس میں نمک ڈال کر ان کے پیروں کی سکائی کرتا رہا، محمود حسن روتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ طارق بھائی آپ یہ کیا کر رہے ہیں آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ کوئی شرمندگی کی بات نہیں یہ خدمت جو میں انجام دے رہا ہوں وہ خلوص دل سے انجام دے رہا ہوں، اس کے تین سبب ہیں پہلا سبب تو یہ ہے کہ آپ آل رسول ہیں ہیں اور آل رسول کی خدمت ہر وقت اپنے لئے سعادت کی بات سمجھتا ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ آپ میرے درس کے ساتھی ہیں اور آپ سے مجھے قلبی لگاؤ اور دلی محبت ہے، تیسری بات یہ کہ آپ جس علمی اور دینی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، بھارت کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ آپ لوگوں کے پاؤں دھو کر پئیں، تا کہ ان کے اندر بھی دینی شعور پیدا ہو۔ اس بات پر وہ بہت زیادہ رونے لگے میں نے انہیں سمجھایا، دلاسہ دیا تسلی دی، میری باتوں سے انہیں بہت سکون ملا اور وہ سو گئے جب وہ جا رہے تھے تو انہوں نے کہا، طارق بھائی اس سفر میں بہت سے حقائق سامنے آئے۔ لیکن ایک بات یہ بتا تا چلوں کہ بہت سی غلط فہمیاں جو لوگوں نے پیدا کر رکھی تھیں وہ یک لخت دور ہو گئیں۔ حقیقت جان کر خوشی ہوئی اندازہ ہو کہ لوگ کس طرح سازش کرتے ہیں،

کس طرح کان بھرتے ہیں اور ہم فطری کمزوری کی وجہ سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مجھے بھی اطمینان ہوا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے میں جب بھی انہیں فون کرتا تو حوصلے سے بات کرتے اور حضرت مولانا رابع صاحب سے بھی بات کرواتے تھے، تکیہ میں ملاقات ہو ہو یا ندوے میں ملاقات ہو، ایسا لگتا ہے کہ برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہے، پر جوش انداز میں معانقہ کرتے اور ہاتھ پکڑے پکڑے مہمان خانے لیے چلے جاتے۔ بغیر ماحضر پیش کیے انہیں اطمینان نہ ہوتا، اس دوران بھی وہ وقت ضائع نہ کرتے، علمی گفتگو فرماتے، ندوے کی بات کرتے، دین کی بات کرتے، انتہائی بااخلاق اور باکردار دوست تھے، شریف النفس تھے، ہر ایک کے لیے اچھا سوچتے، ندوے سے ان کو محبت تھی، اگر زندگی اور وفا کرتی تو وہ بڑا کام کرتے، جو قابل رشک ہوتا، اللہ ان سے بڑا کام لے رہا تھا، سوانح نگاری میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، محنت کرتے تھے، مطالعہ کرتے تھے، مواد اکٹھا کر کے لکھتے تھے، ایک خاص بات جو میں نے ان کے اندر دیکھی وہ یہ کہ ان کے اندر تلخیص کی بھی بڑی صلاحیت تھی۔ سفر نامہ لکھنے کی بھی بڑی اچھی قدرت رکھتے تھے، ندوے کے ممتاز طلباء میں تھے، اللہ زندگی دیتا اور کارنامے انجام دیتے، جن پر دنیا رشک کرتی۔

......بقیہ صفحہ ۵۲ کا

خاندان کی بزرگ خاتون حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی مکمل سوانح لکھی، ان کے علاوہ تاریخ اصلاح و تربیت کی دو ضخیم جلدیں طبع ہوئیں، دس جلدوں کا خاکہ ان کے ذہن میں تھا، مزید دو جلدوں کا مواد تیار ہے، تیسری جلد مکمل ہو چکی تھی، جو انشاء اللہ جلد ہی چھپے گی، سلاسل اربعہ ان کا مقبول رسالہ ہے جو شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپا ہے اور نہ جانے کتنی کتابیں انہوں نے دوسروں سے لکھوائیں، کبھی خود لکھ کر دیں۔

وہ بڑے ذاکر وشاغل تھے، ذکر سے ان کو شروع سے مناسبت تھی، قدرے جہر سے ذکر کرتے، تلاوت کا بھی اچھا معمول تھا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، اہل تعلق کو ائیر پورٹ یا اسٹیشن لینے جاتے پھر چھوڑنے جاتے، ہر ایک کے کام آتے، کھلانے پلانے کا شوق تھا۔

حق بات کہنے میں ان کو کوئی باک نہیں تھا، لَا یَخَافُونَ لَومَةَ لَائِمٍ" کا مصداق تھے، اخیر میں صحابہ کے دفاع میں تیغ براں تھے، اللہ کے لیے ان کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی، غلط کام پر ٹوکتے، شاگردوں کی رہنمائی کرتے اور ان کو کامیابی کے راستے بتاتے، نہ جانے کتنوں کو انہوں نے کام پر لگا دیا اور کتنوں کو مصنف بنا دیا۔

اللہ نے عزیز موصوف کو بڑی صفات اور بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، جو یقیناً دوسری دنیا میں ان کے کام آرہی ہوں گی، لیکن ہم لوگوں کے لیے یہ بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ رحم کا معاملہ فرمائے جانے والے پر، اور صبر دے باقی رہنے والوں کو، اور صحت وعافیت کے ساتھ رکھے ان کے بھائیوں اور اہل خانہ کو، خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود" کے وہ مصداق تھے، عمر کی پچاس بہاریں انہوں نے دیکھیں، لیکن کام سو سال کا کر گئے۔

☆☆☆☆☆

گوشۂ محمود

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا نیاز احمد سجاد ندوی، مقیم کویت

برادرم محمود حسن سے ابھی ایک ماہ پہلے مؤرخہ 4 جولائی کو ان کی تکیہ رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی تھی اور ملاقات کے دوران ان کی طبیعت ہشاش بشاش تھی لیکن نقاہت کا اندازہ اس طور پر ہو رہا تھا کہ وہ بمشکل سیدھے بیٹھ پا رہے تھے، اس کے باوجود ہمت و جرات اور عزم و حوصلہ کے آگے ساری چیزیں پست نظر آ رہی تھیں، ان کا وہی انداز گفتگو جو کلاس کے درمیان طالب علمی کے دور میں ہوا کرتا تھا، مرحوم چونکہ میرے ہم درس تھے عالمیت کے ساتھ ساتھ فضیلت بھی ساتھ میں کی تھی، اور چند ایام رائے بریلی میں حضرت مرحوم علی میاں ندوی سے شرف تلمذ حاصل کرنے کی غرض سے دار عرفات میں رہنے کا اتفاق ہوا، جہاں برادرم محمود ضیافت اور ساتھیوں کا خیال اس قدر کرتے تھے کہ لگتا تھا کہ ہم لوگ اپنے گھر پر ہیں، ان کی خاکساری اور تواضع کے سبھی ساتھی قائل تھے، لایعنی اور فضول باتوں سے ہمیشہ دور رہتے حالانکہ درجے کے کچھ ساتھی کبھی چھیڑتے یا کینٹین چلنے کے لئے کہتے تو وہ برجستہ کہتے کہ مجھے کینٹین بازی سے سخت نفرت ہے بلکہ انہیں دیگر بازیوں سے بھی سخت نفرت تھی اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا تو وہ مسکراتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے گزر جاتے کہ ٹھیک ہے ملتا ہوں، فضیلت کرنے کے بعد کچھ دنوں تک میں جمعیت شباب اسلام سے منسلک رہا، پھر اس کے بعد مزید اعلی تعلیم کی غرض سے دلی آ گیا اور محمود حسنی دعوہ کرنے کے بعد درس و تدریس سے منسلک ہو گئے اور تا حیات اسی سے جڑے رہے اور میں مزید جامعہ ملیہ اور دہلی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے کویت چلا گیا اور جب کبھی انڈیا آتا تھا تو ندوہ بھی جانا ہوتا تھا اور برادرم محمود سے قصداً اور بلا قصداً ملاقات بھی ہو جایا کرتی تھی لیکن اس بار کی ملاقات ماضی کی ملاقات سے قدرے مختلف تھی، لگتا ہے جس کا احساس برادرم کو قبل از وقت ہو گیا تھا، جس کا عکس اظہار گفتگو میں نمایاں جھلک رہا تھا۔

عرصہ دراز کے بعد ایسی ملاقات ہوئی تھی جبکہ فون پہ گاہے بگاہے بات ہو جایا کرتی تھی، ہاں البتہ بالمشافہ گفتگو ایک عرصہ دراز کے بعد ہوئی تھی، وہ ملاقات سے حد درجہ خوش تھے اور کہہ رہے تھے کہ نیاز واقعی تم نے ہم درس نہیں بلکہ ایک عزیز ہونے کا ثبوت دیا ہے اور صرف اور صرف تم مجھ سے ملاقات کرنے اور مزاج پرسی کے لئے یہاں آنے کی زحمت گوارہ کی، یہ بہت بڑی بات ہے اللہ تمہیں سلامت رکھے اور خوب ساری دعائیں دیں، اور مزید دوسرے ساتھیوں اور ہم درس احباب کا بھی تذکرہ ہو رہا تھا اور کہہ رہے تھے کہ دوران سال اپنے کئی ساتھی داغ مفارقت دے گئے، برادرم اعجاز قطب ندوی، برادرم شاکر بدایونی ندوی، برادرم عبدالرحمن ندوی اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہ ان تمام حضرات کی مغفرت فرمائے اور غریق رحمت کرے آمین ثم آمین اور مجھے برجستہ وہ شعر یاد آ رہا تھا کہ:

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اتنے میں عزیزم معاذ کچھ مشروب اور اپنے باغ کے پھل

لیکر حاضر ہو گئے اور کہا کہ کھاؤ بھی اور ساتھ لیتے بھی جانا، اپنے باغ کا ہے، ان کی ضیافت دیکھ کر مجھے خاتون منزل کی کچھ پرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں، جب کبھی گھر میں ایام تعطیل میں کوئی نہیں رہتا تھا تو اپنے ساتھ گھر پہ بلا لیتے یا گھر کی چابی دیکر چلے جاتے اور میرے کھانے اور چائے ناشتہ کا پورا انتظام کر کے جاتے یا پھر استاد مکرم مولانا سلمان حسینی صاحب کے یہاں کہ کر جاتے کہ نیاز میرے گھر پر رکے ہوئے ہیں، ان کا خیال رکھئے گا، پھر انہوں نے کویت میں مقیم ندوی حضرات کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ اپنے ساتھیوں میں وہاں کون کون ہیں اور سبھوں کو میرا اسلام عرض کرنا اور خاص طور سے صحت کے لئے دعا کرنا۔

مرحوم کی کن کن صفات کا ذکر کروں وہ ایک نابغہ روزگار شخصیت اور خانوادہ حسنی کے چشم و چراغ تھے، ان کی کون کون سی یادوں کو زیر قرطاس کروں، کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔

زمیں کاغذ کی بن جائے سمندر روشنائی کا
قلم کچھ لکھ نہیں سکتا کہ صدمہ ہے جدائی کا

مرحوم نے واقعتاً بہت ہی قلیل عرصے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، کئی کتابیں تصنیف کر ڈالیں، کتنے مضامین کو مرتب کر کے طباعت سے آراستہ کر کے رہتی دنیا تک تابندہ کر دیا، کتنے بزرگان دین، مشائخ اور اولیاء کرام کے ملفوظات اور تذکرہ حیات قلمبند کر کے علمی ذخیرہ کو محفوظ کر دیا، سوانح نگاری اور سیرت نگاری میں خاصہ ملکہ حاصل تھا، مثال کے طور پر امیر الدعوہ والتبلیغ حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، سوانح حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ، تذکرہ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ، داعی حق حضرت استاد عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور سوانح حضرت مولانا محمد عبد الباری بھٹکلی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے علاوہ تجدید معاشرت، فرشتہ صفت انسان، تاریخ اصلاح و تربیت، سلاسل اربعہ، ہدیہ درود و سلام اور کئی رسالے اور کتابچے شامل ہیں جو مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے عنوانات پر ان کے قلم نے بیش بہا وقیمتی سرمایہ چھوڑا ہے اور کم وقت میں جو خدمات انجام دی ہیں اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں میں شاید ہی کسی نے انجام دی ہوں۔

راہ دیکھا کرے گا صدیوں تک
چھوڑ جائیں گے یہ جہاں تنہا

لیکن کیا خبر تھی کہ مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا اور وہ گھڑی ۱۲/اگست کو آ ہی گئی اور برادرم کے وصال پر ملال کی خبر ملی کہ انہوں نے اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، واقعتاً یہ حادثہ بہت ہی دل دوز ہے جس سے پورا دل و دماغ مغموم و افسردہ ہے اور صبر کے علاوہ کوئی چارہ کار اور سہارا نہیں۔

خزاں لوٹ ہی لے گئی باغ سارا
تڑپتے رہے باغباں کیسے کیسے

برادر مرحوم کا اس کم عمری میں چلا جانا صرف ہم ساتھیوں کے لئے نہیں بلکہ پوری ندوی برادری اور علمی دنیا کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے اور ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا ناممکن ہے۔

بس اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اللہ ان کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو اس کے صحیح نعم البدل سے نوازے اور وارثین اور پسماندگان اور احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔

☆☆☆☆☆

گوشۂ محمود

خانوادۂ حسنی کی روایتوں کا امین

مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری رئیس: جامعۃ الحسنین صبری پور

ہندوستان کے مشہور علمی، تاریخی وروحانی خاندان کے چشم و چراغ اور بزرگان دین کے معتمد خاص، نورانی نفوس کی صحبتوں سے فیض یافتہ امام العرب والعجم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی نگاہ تربیت واصلاح نفس اور شب و روز ان کے ساتھ رہ کر اپنی علمی ادبی، اخلاقی وروحانی پیاس بجھانے والے مشہور عالم دین، مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم کے معتمد اور معروف سوانح نگار، ہر دلعزیز مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی بھی آج اپنی خدمات جلیلہ کا صلہ پانے کے لئے اپنے رب کے جوار چل بسے، اور خانوادۂ حسنی کا ایک چمکتا دمکتا روشن چراغ گل ہوگیا، یہ حادثہ علم وکتاب سے تعلق رکھنے والوں، مدارس وخانقاہ، ان کے شاگردگان و منتسبین کے ساتھ ساتھ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم کے لئے ذاتی حادثہ ہے، اللہ تعالی صبر جمیل عطا فرمائے، اور آپ کو صحت وسلامتی کیساتھ ملت اسلامیہ کے سروں پر سجائے رکھے۔

مولانا سید محمود حسنی ندویؒ ایک عالم باعمل، اعلی اخلاق سے متصف، تواضع وانکساری کا مجسمہ، جلوت وخلوت کے بطل عظیم، خلوص وللّٰہیت کے پیکر تھے، بزرگان دین کی محبت ان کے رگ و ریشہ میں سما گئی تھی اور اکابرین کی خدمت کو وہ اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، اسی لئے وہ حقیقی طور پر محمود ومسعود بن گئے، ان کو اپنے وقت کے عباقرۂ علم وفن اور تصوف وسلوک کے آفتاب و ماہتاب کی مصاحبت ملی، جس سے ان کی زندگی میں ایک صالح انقلاب پیدا ہوا اور وقت کی قدر نے ان کو طویل العمر مصنفین ومؤلفین کی سنہری قطار میں لا کھڑا کیا، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بارے میں لکھا ہے آپ تین کاموں میں سے ایک کام میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے، مطالعہ کتب، تصنیف وتالیف، عبادت، یہی اوصاف مولانا کے اندر سما گئے تھے، مطالعۂ کتب میں غرق رہ کر تصنیف وتالیف کا کام انجام دینا، اور پھر راتوں کو خدا تعالی کے سامنے راز و نیاز کی باتیں کرنا، اسی طرح نابغۂ عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی شخصیت سے کون ناواقف ہے، زمانہ ان کو علم کی وجہ سے جانتا ہے، جب مرض الوفات میں ہاتھ ہلانے کی طاقت نہ رہی تو کروٹ پر لیٹ جاتے اور سامنے کرسی پر کتاب کھلی ہوئی کھڑی رہتی، جب پورا صفحہ مطالعہ فرما لیتے تو کسی کی طرف ورق پلٹنے کا اشارہ کرتے، وہ ورق پلٹ دیتا اور آپ مطالعہ میں مشغول ہو جاتے، یہی حال اس وقت مولانا کا تھا، آپ مرض الوفات میں ہاسپٹل میں آخری سانسیں لے رہے تھے اور آپ کی تحریر کردہ کتاب ''ہدیۂ درود وسلام'' کا اجراعمل میں آرہا تھا، آپ نے اس فانی دنیا سے قبل بارگاہ نبوی میں درود وسلام پیش کر کے اپنے کو مقبول ترین

وبارگاہ الٰہی میں محبوبین میں شامل کرالیا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے بارے میں لکھا ہے جو کچھ ملا وہ اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت اور تعلق رکھنے کے نتیجہ میں ملا، مولانا کی زندگی میں بھی یہ وصف غالب تھا آپ اپنے اساتذہ وبزرگوں کا حد درجہ احترام فرماتے، ادب سے پیش آتے، تواضع کا نمونہ بن جاتے، اسی ادب اور خدمت کی بنا پر آپ سے خدا تعالی نے کم عمری ہی میں وہ کام لیا جس پہ زمانہ ناز کرے گا۔

تذکرہ وسوانح کا وزیر اعظم، دل شیشہ کی طرح صاف، اخلاق حسنہ سے متصف، ہمیشہ شکر خداوندی واعتراف نعمت سے لبوں پر تبسم، کام کے دھنی، طلب علم میں منہمک، قلم وکتاب کے بادشاہ کا اسم گرامی مولانا محمود تھا، آپ کے قلمی احسانات وخدمات سے ملک وملت گراں بار رہے گی، قدرت خداوندی کی مہربانی کہ آپ نے سیرت وادب، سوانح وتذکرہ نگاری کا ایک ایسا گلشن وچمن آباد کیا، جس کی بہاریں دیر تک قلم وکتاب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے راحت کا سامان بنیں گی، آپ ۲۸ر جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲ر جولائی ۱۹۷۱ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ندوۃ العلماء کے ایک مکتب میں حاصل کی، ابتدائی عربی درجات کی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں حاصل کرنے کے بعد ثانویہ اور عالمیت کی تکمیل دار العلوم ندوۃ العلماء سے کی، حدیث شریف کا دوسالہ کورس ۱۹۹۲ء میں کیا، اور پھر المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کا ایک سالہ کورس کر کے مدرسہ ضیاء العلوم سے تدریس کا آغاز کیا، اور دار عرفات رائے بریلی میں تصنیف وتحقیق سے وابستگی اختیار کی، ۲۰۰۱ء سے معاون ایڈیٹر کے طور پر کچھ عرصہ بعد نائب مدیر کے طور پر تعمیر حیات سے وابستہ رہے، اس کے ساتھ ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کے معاون مدیر اور دار عرفات رائے بریلی کے ترجمان ''پیام عرفات'' اور مادر علمی'' مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے ترجمان ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد کی مجلس ادارت کے رکن تھے۔

قدرت خداوندی نے آپ کو قلم وکتاب سے وابستگی عطا فرمائی تھی اور آپ بے انتہا مشغولیات کے جھمیلوں سے جلد فارغ ہوکر ہاتھ میں قلم پکڑتے، اور لکھتے ہی چلے جاتے، ان کا محبوب مشغلہ ہاتھ میں قلم پکڑنا اور ملت اسلامیہ کو اپنے عباقرۂ علم سے روشناس کرانا تھا، حافظہ بڑا پختہ تھا، علم مستحضر تھا، اس لئے سفر وحضر میں ان کا قلم اشہب جاری رہتا، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے علمی مزاج، کچھ کرنے کی دھن، ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پر افسوس، بزرگان دین واولیاء اللہ کی زندگی کے پر اثر واقعات سناتے رہتے، تصوف وسوانح نگاری آپ کا خاص ومحبوب مشغلہ تھا، مشورہ دینے میں بڑے مخلص تھے، علم وحلم، حکمت ودانائی سے خدا عز وجل نے نوازا تھا، بزرگان دین کے ملفوظات، ارشادات، بہت سے مکتوبات، خطابات کے اہم حصے اور نکات ان کو ازبر تھے، آپ کا تعلق صرف قلمی دنیا اور ادبی شہہ پاروں کے لکھنے سے نہ تھا بلکہ شب بیداری، ذکرواذکار، کثرت استغفار، بزرگوں سے تعلق اور ان کی مصاحبت آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی، جب بھی کوئی علمی، ادبی، تاریخی وروحانی شخصیت کوچ کر جاتی اور آپ کو کچھ لکھنا ہوتا تو چند روز یا چند ہفتوں کے لئے الگ تھلگ ہوجاتے جس کی خاندان کے چند افراد کو اطلاع رہتی اور ایک ضخیم تصنیف لے کر نمودار ہوتے، قلم کار حیرت واستعجاب میں پڑ جاتے، اتنی جلد یہ تحقیقی ومستند کام کیسے انجام پا جا سکتا ہے، اللہ تعالی نے ان کے اعمال صالحہ کی بدولت ان کے وقت میں عجیب برکت عطا فرمائی تھی۔

ہمارے مربی داعئ اسلام حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ کی حیات پر آپ کی کتاب ''سیرت داعئ اسلام'' ایک زندہ جاوید قلمی کاوش ہے، جو مختصر عرصہ میں منظر عام پر آئی، حضرت

مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ کی سوانح ''تذکرہ مولانا زبیر الحسن'' بے مثال کارنامہ ہے اور عظیم فلسفی و مربی حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ کی شخصیت کو آئینہ دکھاتے ہوئے آپ نے ''تذکرہ مولانا عبدالباری'' اور ''فرشتہ صفت انسان'' تحریر فرما کر علمی دنیا میں ایک یادگار اضافہ کیا ہے، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ کی حیات جاوداں پر آپ کے نوک قلم سے نکلا ایک تحفہ ہے ،امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ کی علمی وتاریخی شخصیت کا جائزہ بھی آپ نے قلمی عدالت میں'' تذکرہ مولانا محمد یونس صاحبؒ'' کے نام سے پیش کیا جس کو بے حد پسند اور مقبولیت حاصل ہوئی ،اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر آپ کے گہر بار قلم سے نکلنے والی ضخیم کتاب ''تاریخ اصلاح وتربیت'' ایک تاریخی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، یہ مقام ان کو اس وجہ سے نصیب ہوا کہ ان کو اصحاب علم وقلم اور صاحب نسبت افراد کی خد مت ومصاحبت میسر رہی ،جس نے ان کو کندن بنایا ،اور حصول علم میں بچہ بنے رہنا بھی ان کے لئے مفید اور کارگر ثابت ہوا۔

طلباء کے لئے لکھے گئے میرے مضامین کا مجموعہ ''اپنی دنیا آپ پیدا کر'' کو جب شائع کرنے کا ارادہ کیا تو مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنے اکابرین اساتذہ سے کتاب کے بارے میں کچھ تحریر کرانے کا ارادہ کیا ،مادر علمی کے مہمان خانہ میں جس شخص سے پہلی ملاقات ہوئی وہ مولانا محمود حسنی ندویؒ تھے ،بڑے تپاک سے ملے ،اپنا مقصد سفر بتلایا ،خوشی کا اظہار کیا ،اور کتاب کے مسودہ پر نظر ڈال کر اپنے سپرد کر لیا ،ناشتہ سے فارغ ہو کر حضرت مولانا دامت برکاتھم سے ملاقات ہوئی ،آپؒ بھی ساتھ تھے ،مقصد سفر بتلایا ،اور حضرت سے درخواست کی ،یوں گویا ہوئے ،یہ طلبہ کے لئے مفید مضامین ہیں آپ سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں ،حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا ان شاء اللہ لکھدیں گے ،آئندہ صبح جب دس بجے ملاقات کی تو حضرت کی تحریر جو کتاب کا مقدمہ ہے عنایت فرمائی ،اور بڑی دعاؤں سے نوازا فون پر بات ہوتی ہمیشہ دعاؤں سے شاد فرماتے اور بہترین مشوروں سے نوازتے ،الغرض ہم نے ایک عظیم انسان کو رخصت کر دیا اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے ،اعلی علیین میں اپنی نیک ارواح کے ساتھ ان کا حشر فرمائے۔

......بقیہ صفحہ ٦٠ کا

خاندان کی شریفانہ روایت کی پاسداری ،دوسروں کو نفع پہنچاتے ،اور کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچاتے ،جبکہ دوسروں کو اذیت دینا فرومایگان زمانہ کا عام شعار ہے، جو برائیاں عقاب کی آنکھ سے چنتے ہیں اور صبا کی رفتار سے پکڑتے ہیں ،مگر مرحوم زمانہ کی اس روش سے مختلف تھے ،اسی لئے ان کی دوستی اور تعلق کو ہم وجہ سعادت اور باعث فخر سمجھتے تھے۔

ان کا یہ سانحہ کم عمری میں پیش آیا ہے ،استاد محترم حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتھم کے لئے اس طرح کے حادثات کا پیہم آنا بڑا صبر آزما ہے ،یہ آپ کی ایمانی قوت کی دلیل ہے ،ہم برادر معظم مولانا سید جعفر محمود حسنی مرحوم کے بھائی مولانا مسعود حسن حسنی ،مولانا منصور حسن حسنی اور دیگر اہل خانہ کو صدق دل سے تعزیت پیش کرتے ہیں ،مرحوم کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا کرتے ہیں اور اپنے اس درد کا اظہار کرتے ہیں کہ کس طرح اصحاب فکر وقلم یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جارہے ہیں ،اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
یہ لوگ بھی اٹھ جائیں گے اس بزم وفا سے
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکو گے۔

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲۰/روپئے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰/روپئے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰/روپئے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰/روپئے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰/روپئے)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰/روپئے)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰/روپئے)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰/روپئے)
۹-افکار دل (۲۰۰/روپئے)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰/روپئے)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰/روپئے)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰/روپئے)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰ روپئے)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰ روپئے)
۱۵-ساز دل (۱۰۰/روپئے)
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰/روپئے)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰/روپئے)
۱۸-درد دل (۱۰۰/روپئے)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰/روپئے)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰/روپئے)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰/روپئے)
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰/روپئے)
۲۳-سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۳۰/روپئے)
۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰/روپئے)
۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰/روپئے)
۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰/روپئے)
۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰/روپئے)
۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰/روپئے)
۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰/روپئے)
۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰/روپئے)
۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰/روپئے)
۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰/روپئے)
۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰/روپئے)
۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰/روپئے)
۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳۰/روپئے)
۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰/روپئے)
۳۷- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة (۳۰/روپئے)
۳۸-الامامۃ فی الصلوۃ ومسائلہا واحکامہا (۸۰/روپئے)
۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰/روپئے)
۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰ روپئے)
۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰/روپئے)
۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰/روپئے)
۴۳-مختصر تذکرہ حضرت شیخ الہندؒ (۳۰/روپئے)
۴۴-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰/روپئے)
۴۵-سیرت النبی الاکرمؐ (۳۰/روپئے)
۴۶-میری والدہ مرحومہ (۴۰/روپئے)
۴۷-دو آب دار موتی (۳۰/روپئے)
۴۸-یتیموں کی کفالت (۳۰/روپئے)
۴۹-توشہ آخرت (۲۰۰/روپئے)
۵۰-دو دن کا سفر (۲۰۰/روپئے)
۵۱-حیات ازہری (۱۰۰/روپئے)
۵۲-ذکر محبوب (۲۰۰/روپئے)
۵۳-الفرائد فی عوالی الاسانید وغوالی الفوائد (۳۰۰/روپئے)
54- Rules of Raising Funds
55- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
56- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
57- The Rights of Perents and children (Rs.20)
58- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
59-Tasawwuf and tha Elders of
60-Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
61-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
62- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
63- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
64- Importance of Hijab in islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058